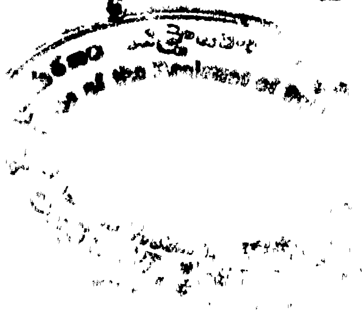





رِشتوں کی مہک



جُز تشنہ لبی دوستو! کس شئے کی کمی ہے
"رِشتوں کی مہک" تو مرے تن من میں بسی ہے

صلاح الدین نیّر

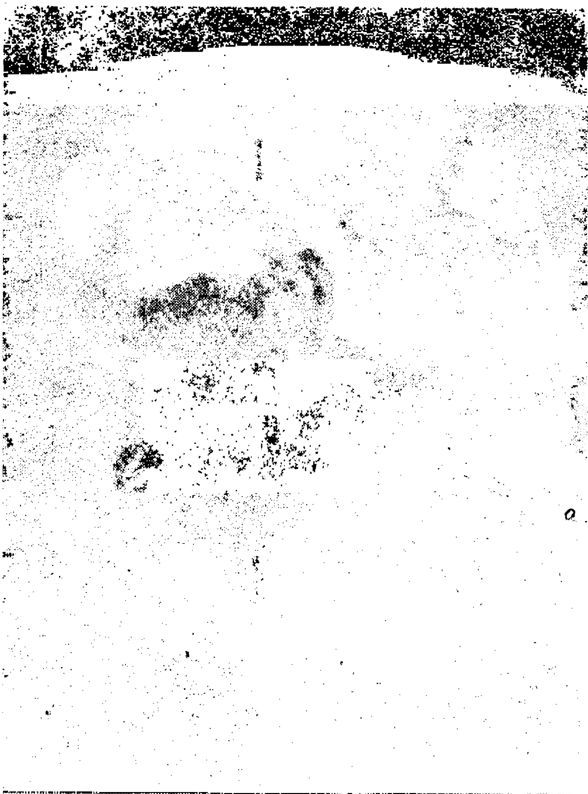
تاریخ وسن اشاعت : ۱۵ر اگست ۱۹۸۶ء
بارِ اول : ایک ہزار
کتابت : محمد عارف الدین
طباعت : اعجاز پرنٹنگ پریس ۔ چھتہ بازار ۔ حیدرآباد
قیمت : ۱۶ روپے
ناشر : مکتبہ شعر و حکمت ۸۶۵-۶-۱۱ ریڈ ہلز ۔ حیدرآباد
ٹائٹل طباعت : انتخاب پریس جواہر لال نہرو روڈ

مالی اعانت اردو اکیڈیمی آندھرا پردیش ۔ حیدرآباد

ملنے کے پتے

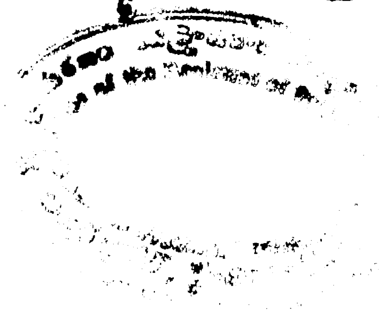
- حسامیہ بک ڈپو، مچھلی کمان، چار مینار ۔ حیدرآباد
- الیاس ٹریڈرس، شاہ علی بنڈہ ۔ حیدرآباد
- مُصنّف، ۲۰-۶-۳۴۴ بازار روپ لال ۔ حیدرآباد ۵۰۰۲۶۵

A. No:
215



صلاح الدین نیر

رِشتوں کی مہک



جُز تشنہ لبی دوستو! کس شئے کی کمی ہے
"رِشتوں کی مہک" تو مرے تَن مَن میں بسی ہے

صلاح الدین نیّرؔ

انتساب

زندگی کے اُن اچھوتے لمحوں کے نام جن کی مہک
"گُلِ تازہ کی طرح" خوشبو کا سفر" طے کر رہی ہے

صلاح الدین نیّر

ترتیب و تزئین

پیراہنِ گُل

کئی دفعہ مجھے نیرّ سے کہنا پڑا کہ سروجنی نائیڈو کی سالگرہ تقریب منعقد ہو رہی ہے، آریہ بھٹ فضا میں داغا گیا ہے، شہر میں کرفیو ہے، حیدرآباد کی تہذیب متاثر ہو رہی ہے۔ نیا سال آرہا ہے اور تمہیں شعر کہنا ہے ۔۔۔ نیرّ نے ہر ایسے موقع پر شعر کہے ہیں۔ محفلوں میں پڑھا ہے اور خوب دادِ تحسین حاصل کی ہے۔ نیرّ کی شاعری اسی خصوصیت سے عبارت ہے۔

نیرّ کی شاعری کے بارے میں نقّاد اور شاعر، تنقید و تبصرہ کرتے رہیں گے۔ مجھے صرف ایسے شاعر کا تعارف کرانا ہے جو ایک اچھا شاعر ہے۔ مشاعروں کا لازم و ملزوم ہے۔ "سیاست" کے حصہ شعر کی ترتیب میں وہ مسلسل تعاون کر رہے ہیں اور ان سب سے زیادہ ادبی ٹرسٹ اور بک ڈپو کے کام میں وہ تنہا میرے معاون ہیں۔ ان کی زندگی کا بڑا حصہ شعر و ادب کی خدمت میں گزرتا ہے اور ان کی صبح "سیاست" سے شروع ہو کر شام یہیں ختم ہوتی ہے۔

(عابد علی خاں مدیر سیاست)



آج کی صحبت میں، میں اپنے ایک بہت ہی بے صبرے اور شاگردوں

میں سب سے کم سن شاگرد صلاح الدین نیرؔ کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔
مجھے خوشی ہے کہ نیرؔ کی شاعری اور اس کی چاہت کا "گلِ تازہ" آج میرے ہاتھوں
بر افگندہ ہو رہا ہے — نیرؔ بڑے اچھے عزائم اور صلاحیتوں کا نوجوان ہے۔
شعر و شاعری سے اسے شغف ہی کیا عشق ہے۔ نیرؔ اپنی سیماب وشی ہی کی بدولت
اپنے سن سے سوا نام کمایا ہے اور بہت جلد خاصا مقام حاصل کر لیا ہے۔ نیرؔ بڑا ہی
ذہین اور بے حد فطین شاعر ہے۔ اس کی شاعری چاہت اور پیار کی شاعری ہے۔
پیار کرنا بڑی بات ہے اور سب سے اعلیٰ و ارفع پیار وہ ہے جس کی نان ناکامی و
ناآسودگی پر ٹوٹے۔

نیرؔ کوچۂ مومنؔ کا رہ نورد ہے۔ یہ انکشاف میں نے اس کے شاندار
دیباچے (سرگزشتِ دل) اور بین السطوری مطالعے اور ان کی غزلوں کی داخلی
شہادتوں سے کیا ہے۔ نیرؔ کا اسلوب اس کا طریقہ اظہار اس کی ماجرائی غزلوں
میں بے حد محتاط اور بلیغ ہے۔ نیرؔ ایک پُر وقار شاعر ہے۔ اس کی ذاتی شرافت
اسے بے حجابی کی طرف نہیں اُکساتی۔ وہ سختی سے ان روایات کا پابند ہے جو اسے
فطری طور پر میرؔ اور غالبؔ سے ملی ہیں۔ نیرؔ کی بڑی شاندار اُٹھان ہے۔ اس کے
کلام میں عشق اور عفتِ فن سے متعلق تیز اور چبھتے ہوئے شعر آپ کو جا بجا ملیں گے

پروفیسر ابوظفر عبدالواحد

●

غزل کی بے پناہ موہنی ہر دور میں ہر درجے کے شاعروں کو مسحور کرتی رہی
ہے، اس دور میں بھی جب مقصدیت، مادیت اور سماجی حقیقت نگاری کے اظہار میں
غیر متوازن اور غیر معتدل رویہ اختیار کر لیا گیا تھا، غزل کی مقبولیت پر آنچ نہ آنے پائی تھی

اس کے اشاروں اور اس کی علامتوں میں جو وُسعت، ہمہ گیری، اثر انگیزی اور لچک ہے اس نے ہر وقت غزل کی آبرو رکھ لی ہے یا وہ ساغر کے پردے میں مشاہدۂ حق کی گفتگو سے لے کر دار اور صلیب کی ایمائیت تک غزل کی علامتیں اور کنائے ہمارے ذہنوں کی رہبری کرتے رہے ہیں۔

موجودہ دور کے نوجوان شاعروں نے بھی غزل کے موضوع کی بوقلمونی، اس کے حسین پیکر کی صد جلوہ گری سے فیض اٹھایا ہے کیونکہ اس صنف میں لب و رخسار کی حکایتوں اور دلِ پُرخوں کی گلابی کے ساتھ ساتھ وقت کی دھڑکنوں کا رنگ بھی شامل ہوتا ہے۔ غزل کی یہی ہمہ گیری حیدرآباد کے نوجوان شاعر صلاح الدین نیر کی توجہ کا مرکز بن گئی۔

صلاح الدین نیر کو حیدرآباد کے نوجوان شُعرا میں ایک خاص امتیاز حاصل ہے۔ وہ نظم نگار اور غزل گو دونوں حیثیتوں سے مقبول ہیں اور مقبولیت میں ان کی خوش گوئی اور خوش گلوئی دونوں کا حصہ ہے۔ نیر کی غزلیں ہلکی پھلکی، سیدھی سادی، شگفتہ اور رسیلی ہیں۔ ان میں زندگی اور محبت کے بہت سے تجربوں کا نچوڑ ہے۔ حیات کے بیتتے ہوئے لمحات کا اکتساب بھی ہے اور حسین یادوں کی مستی بھی کاکل و رخسار کی تابناکی بھی اور شعور زیست کا وقار بھی

نیر کے شعر شاید اس لئے بھی ہماری توجہ اسیر کر لیتے ہیں کہ زندگی کی جن حقیقتوں کو انھوں نے شعر کا جامہ پہنایا ہے۔ وہ جگ بیتی اور سنی سنائی باتیں نہیں، وارداتِ قلبی ہیں اور انھیں بڑی شدّت کے ساتھ محسوس کیا گیا ہے اور اس خصوصیت نے صلاح الدین نیر کے تغزّل میں خلوص کے ساتھ اثر آفرینی بھی پیدا کر دی ہے۔ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ ان کے اندازِ نظر کو حقیقت پسندانہ بنا دیا ہے نیر کی غزلوں میں فلسفہ کی پیچیدہ بحثیں نہیں۔ تصوّف کی اونچی

اڑانیں نہیں ۔ صنائع بدائع سے نگاہوں کو خیرہ کر دینے کی سعی نہیں، بندش اور ترکیب کی صاعقہ پاشی نہیں ۔ فن کا احترام ہے، زندگی سے پیار کرنے کا سلیقہ ہے ۔ عشق کے معرکے سر کرنے کا عزم ہے ۔ حیات کی پُر پیچ راہوں سے سر کے بل گزر جانے کا حوصلہ ہے ۔ چاہے اور چاہے جانے کی مچلتی ہوئی تمنائیں ہیں ۔ وہ سمجھتے ہیں کہ فنکار ماحول کا زہر پی کر زندگی کے جام کو امرت کی بوندوں سے بھر دیتا ہے ۔ وہ آگ میں جل کر پھول برساتا ہے، اور اپنے سینے کا گداز پڑھنے والوں کی نذر کر دیتا ہے ۔

نیّر کی غزل گوئی کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ انھوں نے اکثر جگہ زندگی، محبت کے بہ ظاہر چھوٹے لیکن دل و دماغ پر ایک گہرا رنگ چھوڑ جانے والے تجربات کی عکاسی کی ہے ۔ یہ معمولی باتیں، یہ ہلکے پھلکے تجربات محبت بعض وقت زندگی کو ایک نئے موڑ سے آشنا کر دیتے ہیں اور شاعر قیمتِ غم کے لئے عشرتِ عمر ابد کی بازی لگا دیتا ہے ۔ نیّر عامۃ الورود تجربات کو تمام انسان کے نقطۂ نظر سے دیکھنے اور ان میں جذبات اور احساس کی جو دنیا چھپی ہوئی ہے اس کو شعر کے پیکر میں سمو دینے کی عادی ہیں ۔ جانے بوجھے اور عامۃ الورود تجربات کو اس سلیقے کے ساتھ پیش کرنا کہ سننے والے کو اس میں اپنے دل کے دھڑکنے کی صدا آئے، غزل گوئی کے فن میں ایسی خصوصیت نہیں جس کو بہ آسانی نظر انداز کیا جا سکے ۔ غزل کا کمال مرعوب کرنا نہیں، دلوں کو جیت لینا ہے ۔

نیّر سریع الفہم انداز میں روزمرہ زندگی کے ایسے تجربات کو جن میں گرمیِ حیات، احساس کی چبھن، ماحول کا شعور اور مذاقِ عشق ہے بڑی خوبصورتی کے ساتھ اپنے اشعار میں پیش کیا ہے ۔ ان کی غزلوں میں عشق، کہیں پندارِ حُسن کا داعی ہے تو کہیں حُسن کی رہ گذر میں سجدہ ریز، محبت کی کامرانی کا ایقان اور عشق کی لامحدود

نیّر کا طرزِ ادا جدید علائم اور نئے لب و لہجہ سے اثر پذیری کا بھی غماز ہے ان کی امیجری اور اشارات و کنایات میں زبان کے نئے امکانات کا احساس موجود ہے۔ نئی نئی تشبیہات اور استعارے نیّر کے اشعار میں اکثر جگہ ایک نئی معنویت کا اضافہ کر دیتے ہیں۔ غزل کے روایتی کردار اور اس کی مخصوص تفصیلات سے وابستگی کے باوجود صلاح الدین نیّر کے لب و لہجہ میں ایک خوشگوار تازگی اور جدّت کا احساس ہوتا ہے۔

ڈاکٹر سیّدہ جعفر
شعبۂ اردو جامعۂ عثمانیہ

●

نیّر سے میرا رشتہ پرانا ہے۔ لیکن یہ رشتہ شاعر اور قاری / سامع کا نہیں، استاد اور شاگرد کا ہے۔ میں کیسا استاد ثابت ہوا یہ تو نیّر بتا سکیں گے لیکن میں نے انھیں ایک ذہین، شائستہ، صاحبِ ذوق اور سعادت مند شاگرد پایا۔ ۲۰، ۲۲ سال بیت گئے لیکن ان کی سعادت مندی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اُس وقت وہ ایک مبتدی تھے۔ مشقِ سخن کا ابھی ابھی آغاز ہوا تھا لیکن آج ان کا شمار حیدرآباد کے مقبول شاعروں میں ہوتا ہے۔ ادبی حلقوں میں انھوں نے اپنا مقام پیدا کر لیا ہے۔ عوام انھیں پسند کرتے ہیں۔ کوئی چھوٹا بڑا مشاعرہ ایسا نہیں ہوتا، جہاں ان کی آواز کانوں میں رس نہیں گھولتی۔ ہندوستان و پاکستان کے رسالوں میں ان کا کلام چھپتا رہتا ہے۔ یعنی ایک مبتدی سے مقبول اور مستند شاعر بن گئے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ان کی سعادت مندی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اس سے ان کی وضع داری، شرافت اور شائستگی کا پتہ چلتا ہے۔

مشقِ سخن کے ساتھ چکّی کی مشقت، حسرت کے حصے میں آئی تھی اور

نیسرؔ کو نوکر شاہی کے مشین کی گھڑگھڑاہٹ میں فکر و سخن کا عذاب خود مول لینا پڑا۔ لیکن وہ خندہ پیشانی کے ساتھ یہ عذاب کئی سال سے جھیلتے آرہے ہیں اور لطف کی بات یہ ہے کہ ان کی شعریت اور نغمگی اس ناشاعرانہ اور ناسازگار ماحول کے باوجود ابھرتی نکھرتی اور سنورتی جا رہی ہے۔ اور لال فیتہ کا یہ قیدی حیدرآباد کے خوش گو، خوش فکر اور خوش گلو شعرا میں ممتاز ہوتا جا رہا ہے۔ ایسا لگتا ہے خلوت در انجمن کا رمز ان پر منکشف ہو چکا ہے۔ اور باہمہ اور بے ہمہ کے اسرار ان پر کھل چکے ہیں۔ یہ ایک عطیہ الٰہی ہے جو صرف صوفی اور حسن کار کو عطا ہوتا ہے۔ وہ دن بھر سکریٹریٹ میں فائیل گردی میں مصروف رہتے ہیں۔

نیسرؔ نے بھی دوسرے غزل گو شعرا کی طرح اپنی شاعری کا آغاز روایاتی مضامین سے کیا لیکن جب انھیں شعر گوئی کا سلیقہ آگیا تو آپ بیتی سنانے لگے اپنے تجربات و مشاہدات اور اپنی واردات و کیفیات کو غزل کے سانچوں میں ڈھالنے لگے یہیں سے ان کی انفرادیت کا اظہار ہونے لگا اور ان کا لب و لہجہ پہچانا جانے لگا۔ "گلِ تازہ" اب اپنا علحدہ کوئی وجود نہیں رکھتا۔ وہ ایک علامت بن گیا ہے پاکیزہ عشق کا، طہارتِ نفس کا، لب و رخسار کا، رسن و دار کا، نشاطِ غم کا، دلبری و دلداری کا، تشنگی و ناآسودگی کا، دل سوزی و جگر کاوی کا، انسان دوستی اور انسان پرستی کا، ایک روشن پسند بہار آفریں مستقبل کا، جن سے نیسرؔ کا نگارخانۂ شعر جگمگا رہا ہے

ڈاکٹر حسینی شاہد

پرنسپل اردو آرٹس ایوننگ کالج

●

نیسرؔ صاحب نے ہم پر مہربانی کی ہے کہ اس گھٹے ہوئے ماحول میں

"خوشبو کا سفر" چھوڑ دیا ہے۔ نیئر صاحب بہت ہی اچھا لکھتے ہیں۔ میں نے
ان میں دو باتیں خاص پائیں۔ جو لوگ ماضی کو دیکھ چکے ہیں، ماضی کی تکالیف اٹھا
چکے ہیں یا خوشی حاصل کر چکے ہیں وہ جانتے ہیں کہ ایسے حالات اکثر لوگوں کے ذہن
میں ایک کڑواہٹ چھوڑ جاتے ہیں۔ ماضی میں سکھ ہو کہ دکھ ہو جیسے بھی کچھ دن
گزرے ہوں، آدمی کو اداس کر دیتے ہیں۔ نیئر صاحب مجھے پہلے شاعر لگے جو
ان باتوں سے گذرنے کے باوجود ان میں وہ کڑواہٹ دکھائی نہیں دیتی۔ جس طرح
کہ وہ کڑواہٹ کو پی جاتے ہیں۔ اور اس کڑواہٹ کو دور کرنے کے لئے کویتا لکھتے
ہیں۔ اور بڑی ہمت کے ساتھ مسائل کو پیش کرتے ہیں۔ میں نے یہ محسوس کیا ہے
کہ ان کے دامن میں کتنا ہی بڑا کانٹا کیوں نہ چھپا ہو وہ چاہے کسی کو دیکھ کر کتنے
ہی آنسو بہائے ہوں، چاہے وہ آنسو، آنسو دینے والے کے دامن میں گرے ہوں
وہ اس آدمی کے نشتر کو سہہ جاتے ہیں۔ اس کے گھاؤ کو سہہ جاتے ہیں اور ان
تمام اذیتوں کو خوبصورتی کے ساتھ اپنے اشعار میں پیش کرتے ہیں۔ ایسی باتیں
بڑے شاعر کے کلام میں پائی جاتی ہیں۔ یہ بڑا پن ان کی شاعری کا ہے۔

ڈاکٹر سری رام شرما
شعبۂ ہندی جامعۂ عثمانیہ

●

صلاح الدین نیئر، بنیادی طور پر غزل کا شاعر ہے۔ نیئر کی غزل میں
خونِ ارماں کے سوز کے ساتھ غزلیاتی ترنگ اس گُلِ تازہ کی دین ہے جو اس کی
شاعری چغلی کھاتی ہے۔ اسی گُلِ تازہ نے اس کی پلکوں کی نمی، اس کے دل کو گداز،
اس کی فکر کو اضطراب اور اس کے قلم کو جادو بخشا ہے۔ نیئر کا گُلِ تازہ، ایک
جیتا جاگتا وجود ہے، جس نے اسے وہ مقامِ عشق عطا کیا ہے، جو اس کی شاعری

کی رُوح ہے۔

نیّر کی شاعری کے اضطراب کے راز کو جاننے کے لئے آپ کو اس کے اندر جھانک کر اس کی تشنہ لبی کو دیکھنا ہوگا، جس میں وہ آسودگی کی تلاش کرتا ہے اس کی وفا کا جائزہ لینا ہوگا جس کا وہ نامکمل حادثہ ہے۔ یہی ناآسودگی، تشنہ لبی اس کی شاعری کا مرکزی خیال ہے میدانِ عشق ہو کہ کارزارِ حیات دونوں ہی محاذوں پر وہ بے قرار ہے، وہ وفا کا نامکمل حادثہ ہے۔

نیّر کی شاعری میں جہاں عشق اور رومان کی نغمگی ہے وہیں جہدِ حیات کا سوز بھی ہے۔ اور ان دونوں کی لطیف ہم آہنگی نے اس کی شاعری کو وہ رنگ دیا ہے جو اس کا اپنا ہے۔

صلاح الدین نیّر لکھتے بھی اچھا ہیں، پڑھتے بھی اچھا ہیں۔ اس لئے خلوتیں ہوکہ جلوتیں وہ چھائے رہتے ہیں۔

ڈاکٹر راج بہادر گوڑ

●

گزشتہ ۱۷، ۱۸ سال میں حیدرآباد کی سرزمین سے اردو کے جو نوجوان شاعر اُبھرے، ان میں صلاح الدین نیّر ایک نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے لب و لہجے میں ایک طرح کی تازگی اور حلاوت کا احساس ہوتا ہے۔ غزل گوئی کے فن پر ان کی گرفت مضبوط ہو چکی ہے۔

نیّر نے جہاں تقلید اور روایت پسندی سے اپنی شاعری کو محفوظ رکھا وہیں وہ موقتی تحریک اور فیشن زدگی سے بھی ہمیشہ دامن بچاتے رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا رنگِ سخن تمام قدیم اور ہم عصر شعراء سے مختلف اور منفرد ہے۔ بہت سے جدید غزل گو شعرا کے برعکس ان کی شاعری ان کی اپنی شخصیت کی

آئینہ دار ہے۔

نیّر نے ترقی پسندی کی روایت اور جدید تجربوں کو ہم آمیز کر کے ایک ایسی زبان تشکیل دی ہے جو ان کے فکر و احساس کا ابلاغ موثر اور بھرپور طریقے سے کرسکتی ہے۔ نیّر کی شاعری گہری انسانیت دوستی کے ساتھ اس خاص کیفیت سے مملو ہے، جسے میر نے دردمندی کا نام دیا تھا۔ ان کا کلام پڑھتے ہوئے کوئی شخص ان کے خلوص وفا اور جذبہ عشق سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

صلاح الدین نیّر کا کلام کئی برسوں سے ادبی رسالوں میں شائع ہوتا رہا ہے اور وہ کئی ریاستی و کل ہند مشاعروں میں شریک ہوکر ہزاروں سامعین سے داد حاصل کرچکے ہیں۔ وہ ہندوستان اور پاکستان کے ادبی حلقوں میں اچھی طرح جانے پہچانے جاتے ہیں، اور جدید دور کے شعرا میں اپنا مقام پیدا کرچکے ہیں۔

صلاح الدین نیّر قابل رشک حد تک پرگو اور زودگو شاعر ہیں۔ غیر معمولی طور پر حساس ہونے کے ساتھ وہ گہری تخلیقی لگن بھی رکھتے ہیں۔ ان کے لہجے میں خاص طرح کی متانت نرمی اور دل پذیری کی کیفیت محسوس ہوتی ہے۔ اظہار عشق میں والہانہ سپردگی کے ساتھ احترام نفس کا جذبہ بھی پایا جاتا ہے۔ غم فراق ہو کہ نشاطِ وصل ہر طرح کی کیفیات کو انھوں نے شائستگی اور وقار کے ساتھ پیش کیا ہے۔ نیّر کے اشعار ان کی شاعری کے ایک نئے اور تابندہ رُخ کو سامنے لاتے ہیں۔ ان میں غزل کی روایت کے احترام کے ساتھ انفرادی تجربہ اور احساس کا بھرپور اظہار اعلیٰ فنکاری کے ساتھ کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر مغنی تبسم
پروفیسر شعبہ اُردو جامعہ عثمانیہ

اپنی بات

"رشتوں کی مہک" میرا چھٹا مجموعۂ کلام ہے جس میں "خوشبو کا سفر" کے بعد کے کلام کے علاوہ ایسی نظمیں بھی شامل ہیں جو میرے پچھلے مجموعوں میں شریک ہونے سے رہ گئی تھیں۔

مجھے سُننے اور پڑھنے والوں نے محسوس کیا ہوگا کہ مجھے فطرت کی رعنائیوں کے ساتھ ساتھ زندگی کی تلخ حقیقتوں سے بھی پیار رہا ہے۔ زندگی کے تجربات نے مجھے جو کچھ دیا ہے روز و شب کی کشمکش سے جو سوغاتیں ملی ہیں، انھیں میں نے نہایت خلوص اور دیانت داری کے ساتھ شعری پیرہن میں ڈھال دیا ہے۔

میری شاعری زندگی کے تجربات اور مشاہدات، داخلی جذبات و محسوسات سے عبارت ہے، زندگی کے حقائق، روزمرہ کی تلخیوں اور راحتوں نے میرے احساس کو جگایا ہے۔ میرا شعری سفر ان ہی لازوال کیفیات کی دین ہے۔ اس شعری سفر کے دوران مجھے مختلف مراحل سے گزرنا پڑا۔ میں نے کوشش کی ہے کہ زندگی کے ہر موڑ پر ثابت قدم رہوں۔ میں نے اپنے شعری سفر میں متوازن ادبی رویّے کو اپنایا ہے، مسلسل سفر کو زندگی کی روشن علامت سمجھتا ہوں۔ میں نے کبھی بھی کسی مخصوص تحریک یا گروہ سے اپنے آپ کو

وابستہ نہیں کیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ فنکار گروہ بندیوں سے بالاتر رہ کر ہی اچھا فن تخلیق کرسکتا ہے۔
جب میں نے ۱۹۶۵ء میں اپنا مجموعہ کلام گلِ تازہ شائع کیا تو ادبی حلقوں نے بے حد سراہا، اس کے بعد ۱۹۷۲ء میں زخموں کے گلاب ۱۹۷۸ء میں صنم تراش اور ۱۹۷۹ء میں شکن در شکن کی اشاعت عمل میں آئی۔ خوشبو کا سفر میرا پانچواں مجموعہ کلام ہے جو ۱۹۸۳ء میں شائع ہوا۔ گلِ تازہ کے بعد کے تمام شعری مجموعوں کو ملک کی مختلف اردو اکیڈمیوں نے ایوارڈز سے نوازا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ پچھلے مجموعوں کی طرح "رشتوں کی مہک" کو بھی پسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھا جائے گا۔

اس کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں، میں اپنے دوست جناب محمد عارف الدین خوشنویس، عزیزم نور محمد مالک اعجاز پریس اور انتخاب پریس کے کرم فرماؤں کا بھی شکر گذار ہوں کہ انھوں نے رشتوں کی مہک کی صورت گری میں مجھ سے مکمل تعاون کیا۔

۱۵ اگست ۱۹۸۶ء

صلاح الدین نیّر

کب مدینے سے تہی دست پلٹ آیا ہوں
نقشِ پا آپؐ کے پلکوں پہ اُٹھا لایا ہوں

آج بھی گنبدِ خضرا پہ نظر ٹھہری ہے
ایسے کچھ لمحے میں اُس شہر سے لے آیا ہوں

یوں تو جاری ہے مسرّت کی فضاؤں میں سفر
اپنے گھر لوٹ کے با دیدۂ تر آیا ہوں

آپؐ کے قدموں کو چھو کر میں کئی بار یہاں
زندہ رہنے کے لئے موت سے ٹکرایا ہوں

لوٹ کر پھر نئے انداز سے جینے کے لئے
آپؐ کی خوشبو کو سانسوں میں بسا لایا ہوں

آج پھر دیجئے پھیلا ہوا دامن میرا
میں اُجالوں کے لئے آپؐ کے گھر آیا ہوں

کام آئی مری فردوس نگاہی نیّر
کملی والے کی نگاہوں میں جگہ پایا ہوں

نعت شریف

ازل سے میری طبیعت قلندرانہ ہے
میں جانتا ہوں کہاں مجھ کو سر جھکانا ہے
اسی لئے ہی تو پڑھتا ہوں سیرتِ نبویؐ
معاشرے میں نیا انقلاب لانا ہے
بہت طویل ہے ذہنی سفر مگر پہلے
رسولِ پاک کے قدموں پہ سر جھکانا ہے
ہمیشہ رہتا ہوں میں بوریہ نشینوں میں
اسی لئے تو نظر میری خسروانہ ہے
برہنہ سر کے لئے سائبان ہوگا مگر
مجھے تو آپؐ کے دامن میں سر چھپانا ہے
بسا ہے اس لئے آنکھوں میں گنبدِ خضریٰ
مذاقِ خوش نظری میری، والہانہ ہے
نبیؐ کے در سے میں جاؤں گا اب کہاں نیرؔ
یہی ہے منزلِ آخر، یہی ٹھکانہ ہے

نعت شریف

ملا رہا ہوں نظر، دیدہ ور زمانے سے
اُٹھا ہوں جب سے محمدؐ کے آستانے سے

پہنچ گئی ہے نظر، عرش کی بلندی پر
رسولِ پاکؐ کے قدموں پہ سر جھکانے سے

خوشی کے نشّے میں تر دامنی ملی لیکن
میں آئینہ تو بنا دل کے ٹوٹ جانے سے

بسا ہوا ہے نگاہوں میں گنبدِ خضریٰ
نظر میں نورِ مدینہ سمیٹ لانے سے

سوال کرنے سے پہلے ہی بھر گیا کشکول
ملا ہے اِتنا فقیروں کے آستانے سے

میں خاکِ پائے نبی بن گیا ہوں اب نیّرؔ
لگی ہے اب مری مٹی کہیں ٹھکانے سے

نعت شریف

قلندر ہوں میں، کس سے کیا مانگتا ہوں
بس اک نور کا سلسلہ مانگتا ہوں

فقیروں کا دل ہو، منظر، خانقاہی
میں جینے کی ایسی ادا مانگتا ہوں

عقیدت سے قدموں پہ سر کو جھکانا
اگر جرم ہے تو سزا مانگتا ہوں

فقیروں کی چوکھٹ پہ کیا کچھ نہیں ہے
میں مسند نہیں بوریا مانگتا ہوں

گلوں کی طرح سے مہکنے کی خاطر
میں خوشبوئے زلفِ صبا مانگتا ہوں

ادھوری رہے جب بھی منزل شناسی
میں خود اپنے ہی نقشِ پا مانگتا ہوں

کوئی اس جگہ سے نہ گزرا ہو نیّر
میں ایسا نیا راستہ مانگتا ہوں

بے نیازانہ قلندر کی طرح رہتا ہوں
میں جہاں بھی ہوں ہر اک فکر سے بیگانہ ہوں

تجھ کو یہ ناز ہے آواز نئی لایا ہوں
مجھ کو بھی فخر ہے اِس دور کا سرمایہ ہوں

میرے اسلاف کی خوشبو ہے مری سانسوں میں
میں بھی اُس سلسلۂ نور کا آئینہ ہوں

کشتیاں جس نے جلائی تھیں بہ حکمِ طارق
میں بھی اُس آگ سے اک شعلہ اُٹھا لایا ہوں

جذب جب ہو گئی دروازے پہ دستک میری
تب کہیں جا کے ترے در سے پلٹ آیا ہوں

زندگی یوں نہ مجھے چھوڑ کے جانا تنہا
اک نظر دیکھ لے میں بھی ترا ہم سایہ ہوں

میں تری بزمِ تبسم سے بڑی مشکل سے
آبروئے دیدۂ پُرنم کی بچا لایا ہوں

خانقاہوں کی امانت کو میں لے کر نیّرؔ
اپنی مسند پہ فقیروں کی طرح بیٹھا ہوں

رام لچھمن کی زمیں پر ایک الجھن اور ہے
ساری لنکا جل چکی ہے ایک راون اور ہے

زندگی ارزاں سہی خوش رنگ چہروں پر نہ جا
مانگ میں جس کی لہو ہے وہ سہاگن اور ہے

آتشِ دل کے لئے یہ رت ابھی موزوں نہیں
جس میں ساری زندگی بھیگے وہ ساون اور ہے

کتنے برسوں بعد اپنے گھر بلائے ہو مگر
جب میں پہلی بار آیا تھا وہ آنگن اور ہے

اتنے سارے چہرے پڑھ لینا تو کچھ مشکل نہیں
عکسِ روئے دوست جس میں ہو وہ درپن اور ہے

اک جگہ بیٹھا رہوں میری تو یہ فطرت نہیں
میں تو اک شاہین ہوں میرا نشیمن اور ہے

کون دے گا مجھ کو نیّر بھیگی پلکوں کا خراج
میرے آنسو جذب ہوں جس میں وہ دامن اور ہے

ہر رُت میں ایسے لوگ متاعِ چمن رہے
جو اپنے گھر میں رہ کے غریب الوطن رہے

ہر زخم اپنی ذات کا آپس میں بانٹ لیں
ہم میں کم از کم اتنا تو دیوانہ پن رہے

ہم نے لہو دیا ہے نئی روشنی کے نام
ہم بھی تمہاری طرح سے زخمی بدن رہے

خاکِ وطن نے اُن کو گلے سے لگا لیا
جو لوگ قتل ہو کے یہاں بے کفن رہے

اِس طرح کج کلاہی کو اپنی نبھائیے
دشمن سے گفتگو میں بھی اک بانکپن رہے

ہم اپنی وضع داری پہ قائم تو ہیں مگر
کچھ مرحلوں پہ ہم بھی روایت شکن رہے

نیر! رہو گے جب بھی صلیبوں کے درمیاں
مٹی وطن کی ہاتھ میں سر پہ کفن رہے

فصیلِ شہر کو جب تک گرا نہیں دیں گے
ہمیں یہ لوگ کبھی راستہ نہیں دیں گے

جو تجھ سے چھن گئی مسند تو تو کہیں بھی بیٹھ
تجھے ہم اپنا کبھی بوریا نہیں دیں گے

تمام عمر جو چہرے کو اپنے پڑھ نہ سکا
ہم اُس کے ہاتھوں میں اب آئینہ نہیں دیں گے

گھٹن ہو ایسی کہ تم پوری سانس لے نہ سکو
تمہیں ہم اِس سے زیادہ سزا نہیں دیں گے

ہمیں گوارا ہے دشمن کی پیش قدمی مگر
امیرِ شہر کو ہم راستہ نہیں دیں گے

یہ بزم شعر و ادب کب کسی کی ہے میراث
جو نسل گونگی ہو ہم جائزہ نہیں دیں گے

وہ جن کے نام سے ہم زہر پی گئے نیّر
ہم اُن کے حق میں کبھی بد دعا نہیں دیں گے

مسندِ سجاد گی جب چھین کر لائی گئی
تھی قلندر کی امانت اُس کو لوٹائی گئی

صبحِ آزادی، اُجالوں کی ضمانت تھی مگر
اِس ادا سے روشنی آئی کہ بینائی گئی

ریزہ ریزہ جب ہوئے ہم آئینوں کے شہر میں
ہم کو اپنی دوسری تصویر دکھلائی گئی

مطمئن تھے ہم مگر موسم بدل جانے کے بعد
میکدے کی پھر وہی تاریخ دُہرائی گئی

حادثوں کی زد میں جینا نسبتاً آسان ہے
زندگی کی زُلف تو مشکل سے سلجھائی گئی

دیر تک چھنتی رہی دیوار و در سے روشنی
محفلِ زنداں میں جتنی بار سجائی گئی

اِتنی ہی نیّر ہے بس میرے سفر کی داستاں
گھر جو لوٹا پاؤں میں زنجیر پہنائی گئی

مہمان بن کے آئے مگر گھر میں رہ گئے
کچھ پھول تیری زُلفوں کے بستر میں رہ گئے

کون اب کرے گا صحرا نوردوں سے گفتگو
جھونکے بہارِ نو کے گُلِ تر میں رہ گئے

محنت کے ہاتھ چُومتا رہتا ہوں اس لئے
کچھ پھُول تیرے ہاتھوں کے پتھر میں رہ گئے

ملنے لگا ہے اب مری پہچان کا ثبوت
آنسو نہ جانے کس طرح ساغر میں رہ گئے

کس کس پہ فردِ جُرم لگاتے رہیں گے آپ
کچھ بُت شکن تو تیشۂ آذر میں رہ گئے

جانا تھا جن کو جا چکے میدان چھوڑ کر
ہم جیسے سرفروش ہی لشکر میں رہ گئے

نیّر! ہے جن سے نسبتِ دیرینہ آج بھی
کچھ ایسے خار پھُولوں کی چادر میں رہ گئے

خیموں کو اپنے چھوڑ کے سب اپنے گھر گئے
جب فصلِ گُل کے جسم سے زیور اُتر گئے

خوشبو سہاگ رات کی جن سے تھی معتبر
وہ لمحے زندگانی کے جانے کدھر گئے

بے نام آہٹوں نے سہارا دیا ہمیں
ہم چلتے چلتے راہ میں جب بھی ٹھہر گئے

مانوس جتنے چہرے تھے سب اجنبی لگے
آئینے ٹوٹ ٹوٹ کے جب بھی بکھر گئے

تُو بھی تو میرے ساتھ رہی اے نسیمِ صبح
وہ کون تھے جو بزم سے با چشمِ تر گئے

تیری طلب نے دی یہی سوغاتِ گردِ راہ
ہم اپنے ساتھ لے کے یہ رختِ سفر گئے

چوکھٹ پہ اُن کی اک نئی پہچان کے لئے
نیّر کا نام لے کے کئی نامہ بر گئے

کل شام سے پھر کوچۂ جاناں میں ملوں گا
خوشبو کی طرح زُلفِ پریشاں میں ملوں گا

بعد اُس کے کہاں ہوں گا مجھے خود نہیں معلوم
میں صبح تلک شمعِ شبستاں میں ملوں گا

لیلیِٰ سخن! تیری نگاہوں سے میں بچ کر
مجنوں کی طرح تارِ گریباں میں ملوں گا

رہنے دو ابھی تلخیِ ایام کی زد میں
میں آخرِ شب، بزمِ رفیقاں میں ملوں گا

ہر وقت مجھے دوستو! صحرا میں نہ ڈھونڈو
میں آبلہ پا بن کے گلستاں میں ملوں گا

اک لمبی جدائی کے لئے چھوڑ دو نیّر
پھر اگلے برس جشنِ بہاراں میں ملوں گا

جہاں کہیں بھی رہے، دل سے تُو نہیں جاتی
مرے بدن سے کبھی تیری بُو نہیں جاتی

ہزاروں ہچکیاں دیوار و در میں ہیں محفوظ
یہاں سے دُور کہیں گفتگو نہیں جاتی

سمٹ سمٹ کے لپٹتی ہے اپنے بستر سے
تمہاری خوشبو کبھی چار سُو نہیں جاتی

اک عمر کٹ گئی، بے لوث جذبۂ دل کو
تمہارے چھونے کی کیوں آرزو نہیں جاتی

گریز پا ہیں جو رُسوائیاں تو رہنے دو
سُپردگی سے کبھی آبرو نہیں جاتی

حصارِ شہر سے ٹکرا کے آ گئی نیّر
دیارِ دوست تلک جستجو نہیں جاتی

دامن میں کچھ نہ تھا کوئی تحفہ نہ دے سکا
تم جا رہے تھے تم کو دلاسا نہ دے سکا

وہ شخص لے گیا مری آنکھوں کی روشنی
میں جس کو اپنے گھر کا اُجالا نہ دے سکا

تم خود ہی بے نیاز رہے اپنے آپ سے
کب گرنے والا تم کو سہارا نہ دے سکا

دل کے سوا یہاں مرا سب کچھ لُٹا مگر
جو لٹنے والا تھا وہ خزانہ نہ دے سکا

آنگن میں اپنے قدموں کی آہٹ کو چھوڑ کر
تم جا رہے تھے اس لئے رستہ نہ دے سکا

نیرؔ ! بہت سے مرحلے آئے حیات میں
تا عُمر میرا دل مجھے دھوکا نہ دے سکا

مدھم ہی سہی شمعیں جلائے ہوئے رکھنا
ہر وقت مرے گھر کو سجائے ہوئے رکھنا

بھیگی ہوئی پلکیں ہوں تو رُسوائی کا ڈر ہے
اچھا ہے یہی نظریں جھکائے ہوئے رکھنا

پھُولوں کا زمانہ ہو کہ پتھراؤ کا موسم
ہر حال میں تم سر کو اُٹھائے ہوئے رکھنا

ایسا نہ ہو میں اُلٹے قدم لوٹ کے آؤں
آنسو ہوں تو پلکوں میں چھُپائے ہوئے رکھنا

تبدیلیٔ حالات کا کیا جانے اثر ہو
موسم سے نئے، خود کو بچائے ہوئے رکھنا

"خوشبو کا سفر"، رُکنے نہ پائے کبھی نیرؔ
احساس کو ہر وقت جگائے ہوئے رکھنا

اعلیٰ ظرفوں کی جگہ کم ظرف جب پانے لگے
اپنا آنگن چھوڑ کر مرکز سے ٹکرانے لگے

تشنگی کا دور ہے، تنظیم مے خانہ کے لوگ
تشنہ لب کو خالی پیمانوں سے بہلانے لگے

خود فریبی کا ذرا یہ بھی تماشہ دیکھئے
کیسے کیسے لوگ اب اوتار کہلانے لگے

قومی یک جہتی کے مجرم دشمنِ امن و اماں
تازہ پھولوں کے بدن میں زہر پھیلانے لگے

بدنصیبی دیکھئے آوارگانِ شہر کی
اپنی گلیاں چھوڑ کر اوروں کے گھر جانے لگے

جب سے ہے چشمِ کرم ہم پر نئے حالات کی
آپ جیسے دوست بھی ملنے سے کترانے لگے

وہ بہت یاد آئے نیرؔ جن کے بازو کٹ گئے
پرچمِ صبحِ وطن جس وقت لہرانے لگے

کچھ اِس طرح میں ترا انتظار کر لوں گا
جو تُو نہیں تری آہٹ سے پیار کر لوں گا

میں جلد آؤں گا ساحل پہ گفتگو کے لئے
یقین کیجیے یہ دریا بھی پار کر لوں گا

چھپاؤں کس طرح میں اضطراب آنکھوں کا
خموشی جبر سہی، اختیار کر لوں گا

سحر کے ساتھ ہمیشہ کی روشنی کے لئے
نگاہِ دوست پہ بھی انحصار کر لوں گا

وفورِ شوق میں پا بوسی جرم ہے تو رہے
گناہ گاروں میں خود کو شمار کر لوں گا

میں خود بھی اُس کے قبیلے کا فرد ہوں نیّر
وہ بے وفا ہی سہی اعتبار کر لوں گا

کس تربیتِ خوش نگہی کا یہ صلہ ہے
اعزاز مرے ذہن و قلم کو جو ملا ہے

مجھ کو ہوا احساس ترے پاؤں ہیں زخمی
جب بھی مرے ہمراہ تو رُک رُک کے چلا ہے

شائستۂ آداب، گُلِ تر کی طرح سے
اک نام ہمیشہ مرے ہونٹوں پہ رہا ہے

اب جس کے گلے میں ہے یہاں پھولوں کی مالا
وہ شخص بھی اکثر یہاں کانٹوں پہ چلا ہے

شاہیں نظر، تیشہ بہ کف وہ سرِ مغرور
ہم جیسے فقیروں کے گھرانے میں ملا ہے

گلنار نہ تھا صحنِ گُلستاں کبھی اتنا
شاید کوئی کانٹا ترے تلوؤں میں چُبھا ہے

میں خود بھی ہوں پیاسا یہ بتا دے مجھے نیّر
جز تشنگیِ لب، تری تحریر میں کیا ہے

روز و شب مجھ سے اُلجھ کر مجھ سے ہی ملتا ہے کیوں
دل رُبا انداز تیرا اِس قدر پیارا ہے کیوں

عطر میں بھیگی ہوئی سانسوں کی خوشبو کی طرح
میرا ماضی شب کی چادر اوڑھ کر سوتا ہے کیوں

جب یہ سچ ہے کوئی آہٹ ہے نہ دستک کی صدا
دل کا دروازہ مگر اکثر کھُلا رہتا ہے کیوں

گر اُسے سمجھوں تو سب کچھ گر نہ سمجھوں کچھ نہیں
انتظار اکثر مجھے اُس شخص کا رہتا ہے کیوں

تھا جو شامِ غم کی نازک موڑ پر تنہا رفیق!
اک چراغ ایسا بھی میرے گھر میں اب جلتا ہے کیوں

تم کو چھونے والا ہر اک لمحۂ عشرت نواز
میرے دل کی دھڑکنوں سے بدگماں رہتا ہے کیوں

ویسے سب کچھ ہے میسّر پھر بھی نیرؔ کس لئے
گھر مرا اکثر مجھے بے سائباں لگتا ہے کیوں

گھٹ جائے گا دم میرا اگر کچھ نہ کہو گے
منہ پھیر کے کب تک یونہی تم روٹھے رہو گے

تھوڑا بھی ہو جو تم میں بچھڑنے کا سلیقہ
تا عمر کبھی تم یہاں تنہا نہ رہو گے

اس طرح سے گر ڈھلتا رہا صبح کا آنچل
ڈھلتے ہوئے سورج کی طرح تم بھی ڈھلو گے

پھر کس سے ہو ان تازہ جزیروں کی حفاظت
حالات کے سیلاب میں گر تم بھی بہو گے

اک تار بھی ثابت کبھی تن پر نہ رہے گا
تم میری محبت پہ اگر طنز کرو گے

اوڑھے ہوئے نکلوں گا اُجالوں کی ردائیں
سائے کی طرح جب مرا تم پیچھا کرو گے

دل کہتا ہے تم ہی کبھی خاموشی سے تیسؔر
تختی پہ مرے گھر کی کوئی نام لکھو گے

کیا جانے اب کی رُت یہاں کیا کام کر گئی
چادر نئی بہار کے سر سے اتر گئی

تم اک لکیر کھینچ کے ہی مطمئن رہے
حدِّ تعیّنات سے آگے نظر گئی

کلیوں سے پھول بننے کا جب وقت آگیا
پہلو بچا کے سب سے نسیمِ سحر گئی

یہ کیسی بھول تجھ سے ہوئی اے نسیمِ صبح
آنگن میں کس کے جانا تھا تو کس کے گھر گئی

پھر میری زندگانی میں آنے سے فائدہ
میری حیاتِ تازہ تو کب کے بکھر گئی

تم ساتھ تھے تو زیست تھی پھولوں درمیاں
جب تم نہیں تو زیست نہ جانے کدھر گئی

نیّر! مرے خلوص کا یہ بھی ہے المیہ
اب کے بھی خالی ہاتھ دعائے سحر گئی

اک اجنبی سے جہاں دوستی بھی کرتے ہیں
اُسی حساب سے ہم دشمنی بھی کرتے ہیں

سفر طویل ہے تم احتیاط سے رہنا
جو رہ نما ہیں وہی رہزنی بھی کرتے ہیں

ہم اس لئے کہ سلامت رہے یہ مئے خانہ
شریکِ جرم، کبھی تشنگی بھی کرتے ہیں

نشاطِ غم سے کہیں تم بہک نہ جاؤ کبھی!
ہنسی میں اپنی کبھی ہم کمی بھی کرتے ہیں

حصارِ شہر میں ہم جیسے تازہ خانہ بدوش
رہینِ تشنہ لبی، زندگی بھی کرتے ہیں

وہ زندگی کے اچھوتے، اُداس لمحوں کو
قریب لانے کبھی بے رُخی بھی کرتے ہیں

کبھی تو نیّرِ تاباں کو جا کے دیکھ بھی لو
سنا ہے اِن دنوں وہ شاعری بھی کرتے ہیں

ہیں سہمے سہمے سے سب لوگ، زندگی ہے کہاں
بتائیے مری بستی میں روشنی ہے کہاں

لبوں پہ جلتے گھروں کی ہے راکھ بکھری ہوئی
ہمارے ہونٹوں پہ بہلی سی اب ہنسی ہے کہاں

تمام بند ہیں دروازے کس پہ دستک دوں
پڑوسیوں میں بھی اب ربطِ باہمی ہے کہاں

تم اب بھی ذہنی تحفّظ کے ساتھ ملتے ہو
خلوص تو ہے مگر رسمِ دوستی ہے کہاں

وہ جس کے خون سے زخمی بدن میں جان آئی
میں کب سے ڈھونڈ رہا ہوں وہ اجنبی ہے کہاں

بُھگت رہے ہیں ابھی دوستی کا خمیازہ
ابھی تو ہم سے کھُلی دشمنی ہوئی ہے کہاں

وہ سامنے ہے مکاں خود ہی جائزہ لیجے
سلوکِ دوست میں نیرّ کمی ہوئی ہے کہاں

شاہین زادہ ، کیسے گرفتار ہو گیا
جو سائبان تھا پسِ دیوار ہو گیا

آنے لگی تھی پھر ترے قدموں کی آہٹیں
سنّاٹا گھر کا جب لبِ اظہار ہو گیا

خوشبو نواز لمس کا وہ لمحۂ نشاط
ہونٹوں کو تیرے چھُوتے ہی سرشار ہو گیا

نیّا مری ڈبو کے جو ساحل سے جا ملا
وہ دستِ ناشناس ہی پتوار ہو گیا

کس کے نصیب میں ہے زُلیخا کا بانکپن
بِکنے کو جو بھی آیا خریدار ہو گیا

وہ لمحۂ خرد جو جنُوں آشنا نہ تھا
قدموں کو تیرے چھُو کے گنہگار ہو گیا

نیّرؔ بدل دو جینے کا انداز پھر نیا
جب سانس لینا ہی یہاں آزار ہو گیا

آپ کی خوشبو کو یوں میں نے بھی محسوس کیا
ذہن و دل میرا بہت دیر مہکتا ہی رہا

کب اکیلا میں رہا شہر کے سنّاٹے میں
میری تنہائی میں بھی سایہ ہمسایہ رہا

میرے آنسو تری آنکھوں میں اُتر آئے مگر
تیری بھیگی ہوئی پلکوں کو تو میں چھو نہ سکا

زندگی کل ترا لہجہ نہ بدل جائے کہیں
میں نے ہونٹوں پہ ترے سوچ کے ہی نام لکھا

گھر کے ہر گوشے میں سہمے ہوئے لمحوں کی طرح
تم نے کیا بات تھی کیوں خود کو چھپانا چاہا

زندگی تجھ کو منانے میں مری عُمر کٹی!
گزرے لمحات سے میں نے بھی تو سمجھوتہ کیا

ایک مانوس سی خوشبو نے قدم روک لئے
جب بھی نیّر نے مجھے چھوڑ کے جانا چاہا

کون آیا تھا کل گھر مرے کیا چھوڑ گیا ہے
ہر لمحہ تری طرح سے خوشبو میں بسا ہے

اک عمر کی حد تک مجھے کچھ بھی نہ تھا معلوم
میں کیا ہوں تمہیں دیکھ کے اندازہ ہوا ہے

دستک نہیں دی جاتی یہاں ایسے بھی گھر ہیں
جب چاہے چلے آیئے دروازہ کھلا ہے

آوازِ کفِ پا ہے نہ آہٹ ہے نہ ہلچل
یہ کون تری طرح سے سینے میں چھپا ہے

کس کرب میں گزری ہے بتا اے غمِ جاناں
تنہائی میں تو بھی تو مرے ساتھ رہا ہے

اک جھونکا ہوا کا ترے کوچے سے نکل کر
خوشبو تری زلفوں کی یہاں چھوڑ گیا ہے

کوتاہیٔ پرواز نے پھر کس لئے نیّرؔ
شاہین مزاجوں کو نظر بند کیا ہے

دیوانگی شیریں کی محبت میں ملی ہے
یہ کوہ کنی ہم کو وراثت میں ملی ہے

جس نسبتِ دیرینہ کو ڈھونڈا کیا برسوں
وہ بھی تو تری چشمِ مُروّت میں ملی ہے

پیراہنِ تازہ میں بھی کیا کچھ نہیں لیکن
خوشبو تری، شائستہ روایت میں ملی ہے

کب ہم تھے یہاں پہلے نظر والوں میں شامل
یہ خوش نظری آپ کی چاہت میں ملی ہے

کس موسمِ تازہ کا ہے تحفہ نہیں معلوم
نرمی تری پھولوں کی نزاکت میں ملی ہے

اک عمر سے میں بھی ترے رشتے میں بندھا ہوں
کیا شئے ترے چہرے کی وجاہت میں ملی ہے

اعزاز ہے نیّر یہ مری بُت شکنی کا
یہ خلعتِ زرّیں بھی خلافت میں ملی ہے

اِس اندھیرے گھر میں پھر سے روشنی ہو جائے گی
آپ جب لوٹیں تو دُنیا دُوسری ہو جائے گی

آپ کی بے اعتنائی گر یُوں ہی جاری رہے
اک نہ اک دن آپ سے بھی دوستی ہو جائے گی

پھر مری پہچان کا محفل میں اُٹھّے گا سوال
تیری شخصیت کی جس دن بھی نفی ہو جائے گی

دوستو رہنے بھی دیجیے، فاقہ مستی کا بھرم
ہاتھ پھیلانے سے توہینِ خودی ہو جائے گی

بن بُلائے آپ کی چوکھٹ پہ آ بیٹھوں گا میں
جب کبھی رُسوا مری تشنہ لبی ہو جائے گی

بال بکھرائے اُسی انداز سے پھر آیئے
آپ کی قُربت سے کچھ تو شاعری ہو جائے گی

اِس لیے نیّر کو پھر کھونا نہیں چاہوں گا میں
ایک اچھے دوست کی پھر سے کمی ہو جائے گی

اُبھر کر آرہی ہے ایک ہی تصویر درپن سے
نہ جانے کب تمھیں میں نے سُنا تھا دُور درشن سے

یہ مجھ سے پوچھیے کیا فصلِ گُل نے گُل کھلائے ہیں
میں اپنے پاؤں میں کچھ خار لے آیا ہوں گلشن سے

بہت نزدیک سے چھُونے کو خود ہی ہاتھ بڑھتے ہیں
نہ جانے کونسا رشتہ ہے میرا تیرے دامن سے

یہ سب کچھ آپ کے مہندی لگے پاؤں کی برکت ہے
کہاں جائے گی یہ خوشبو ہمارے گھر کے آنگن سے

ابھی پوری طرح سے دل کو اپنے ٹوٹنے دیجیے
نکل آئیں گے کچھ آنسو کبھی پلکوں کی چلمن سے

تمہاری کم نگاہی نے بھی سب کچھ دیدیا مجھ کو
میں کتنا بے سہارا ہو گیا تھا ذہنی الجھن سے

تباہی میں مری اُس کا بڑا حصہ رہا نیّر
بہت مہنگا پڑا سمجھوتہ مجھ کو اپنے دشمن سے

کب مجھ پہ حادثات کی پرچھائیاں نہ تھیں
تم ساتھ تھے تو اِتنی پریشانیاں نہ تھیں

خاموش تم بھی رہتے ہو خاموش ہم بھی ہیں
جینے کی یہ ادائیں کبھی درمیاں نہ تھیں

سائے کی طرح پھیل رہا تھا مرا وجود
جب مجھ پہ تیرے پیار کی پرچھائیاں نہ تھیں

جس وقت ہم بھی آئے تھے زنداں سے چھوٹ کر
چوکھٹ پہ انتظار کی شہنائیاں نہ تھیں

خوشبو کے ساتھ آیا تھا یادوں کا قافلہ
سمٹی ہوئی کبھی مری تنہائیاں نہ تھیں

اب تو معاشرے سے ہے ٹکراؤ رات دن
جب تک کہ ساتھ تم رہے کچھ تلخیاں نہ تھیں

احسان ہے یہ تربیتِ خوش نگاہ کا
نیّرؔ کی طرح تم میں بھی کب خامیاں نہ تھیں

روز و شب کی کشمکش سے بے نیازانہ ہے کون
اپنے گھر سے بے تعلق اِس طرح رہتا ہے کون

شاعرِ غوشش فکر کی ذہنی رفاقت کے لئے
گاؤں سے تم کو اٹھا کر شہر میں لاتا ہے کون

وہ اگر میرے ہی پچھلے دور کا سایہ نہ تھا
پاؤں کی زنجیر بن کر ساتھ اب رہتا ہے کون

رفتہ رفتہ پھر مرے دامن تلک آئی نمی
شب کے سناٹوں میں اکثر بھیگتا رہتا ہے کون

دل کے دروازے پہ دستک کی طرح گر تم نہ تھے
پاؤں پہ سر رکھ کے میرے رات بھر سوتا ہے کون

ذہن و دل کو پھر مرے مہکا رہی ہے زندگی
بن کے خوشبو کا سفر پھر میرے گھر آیا ہے کون

ذہن و دل کو چھو رہی ہے اب بھی ٹھنڈی روشنی
اس اندھیرے گھر میں نیرؔ رات بھر جلتا ہے کون

جو عطر بیز تھے وہ دن گئے کہاں جاناں
ہر ایک شخص تھا محفل میں شادماں جاناں

یہ کیسا تحفہ ہے پیراہنِ نظر کے لئے
شگفتہ پھول ہیں کانٹوں کے درمیاں جاناں

جہاں جہاں سے بھی گزرا ہیں سر جھکائے ہوئے
تمہارے نقشِ قدم تھے وہاں وہاں جاناں

تم اپنی یادوں کی خوشبو بھی ساتھ لے آنا
اُداس اُداس سی ہے بزمِ دوستاں جاناں

مرے سلوک کی ضامن ہے میری تشنہ لبی
ستم تو یہ ہے کہ تم بھی ہو بدگماں جاناں

تڑپ تڑپ کے تمہیں جب بھی ہم نے یاد کیا
ہمارے گھر میں اُتر آئی کہکشاں جاناں

زبان کٹ گئی کیسے وہ گفتگو کرتا
تمہارے سامنے نیّر ہے بے زباں جاناں

نگاہِ موسمِ باراں سے ڈر رہا ہوں میں
بھری بہار میں بھی چشمِ تر رہا ہوں میں

وہ ایک راہ جو زنجیرِ پا رہی تھی کبھی
اُس ایک راہ سے اب بھی گزر رہا ہوں میں

شبِ جدائی سے ہو جب بھی گفتگو کہنا
کبھی کبھی تو پیامِ سحر رہا ہوں میں

نہ میرے ہاتھوں میں سیندور ہے نہ افشاں ہے
کچھ اس طرح سے تری مانگ بھر رہا ہوں میں

پرانی یادوں کو سینے میں دفن کرتے ہوئے
خود اپنے آپ پہ احسان کر رہا ہوں میں

جب اپنے آپ کی پہچان اتنی مشکل ہے
تو برگِ گُل کی طرح کیوں بکھر رہا ہوں میں

کچھ اتنا رویا ہوں بینائی کھو گئی نیرؔ
تمہاری طرح کبھی دیدہ ور رہا ہوں میں

بھروسہ کم تھا مگر اعتبار کرتا رہا
تمام عُمر تِرا انتظار کرتا رہا

شکستگی میں بھی جینے کا حوصلہ پا کر
تمہاری پیاسی نگاہوں سے پیار کرتا رہا

دل و نظر کے تصادم میں کچھ اثر کے لئے
تمھیں بھی اپنی طرح بے قرار کرتا رہا

میں دل دُکھا کے کہاں مطمئن رہا اے دوست
گناہ گاروں میں خود کو شمار کرتا رہا

نہ ٹوٹے تجھ سے کہیں سلسلہ محبت کا
خزاں کی رُت میں بھی جشنِ بہار کرتا رہا

تمام زندگی موہوم سی خوشی کے لئے
میں اپنے آپ کو تم پر نثار کرتا رہا

سلوکِ دوست سے نیّر میں بدگماں رہ کر
نگاہِ دوست پہ ہی انحصار کرتا رہا

عکس، خوابوں کا ابھرتا ہے تو معدوم نہ کر
میرے مولا! تُو مجھے نیند سے محروم نہ کر

ہو نہ جائے کہیں گھر سے ہی نکلنا مشکل
میرے حالات کو اِس طرح سے منظوم نہ کر

ایک اک لمحہ ابھی صدیوں میں بدلا ہے کہاں
صبح روشن ہے ابھی صبح کو مرحوم نہ کر

اور کچھ دن تو اُجالوں کا بھرم رہنے دے
تُو مری طرح کسی اور کو محکوم نہ کر

آج اک عمر کے بعد آئی ہے ہونٹوں پہ ہنسی
اور کچھ دن کے لئے تُو مجھے مغموم نہ کر

پیار کی خوشبو میں لپٹے ہوئے لفظوں کی طرح
تشنگی کو مری شرمندۂ مفہوم نہ کر

تجھ کو ملنے کے سوا کچھ نہ ملے گا نیّر
میں کہاں رہتا ہوں کس گھر میں ہوں معلوم نہ کر

نہ جانے کس کے لئے اپنا سر جھکاتا ہوں
دُعا قبول ہو یا رب! کہ ہاتھ اُٹھاتا ہوں

وداع کر کے تمہیں ہر نئے سفر کے بعد
میں اپنے گھر بڑی مشکل سے لوٹ آیا ہوں

اِسی خیال سے کُمھلا نہ جائے تیرا بدن
میں تیرے سامنے ہر وقت مُسکراتا ہوں

تمھیں منانے میں اک عُمر کٹ گئی میری
کبھی کبھی میں بُری طرح ہار جاتا ہوں

تلاش کرتے ہیں کیا لوگ اپنے دامن میں
میں آئینہ کی طرح جب بھی ٹُوٹ جاتا ہوں

سمٹتی جاتی ہیں تنہائیاں مری جب بھی
تمام شمعیں سرِ شام ہی بجھاتا ہوں

معاملہ ہے مرے دل کا کیا کروں نیسؔر
میں بن بُلائے ہوئے اُس کے پاس جاتا ہوں

خدا کرے کہ وہ جب تک بھی محوِ خواب رہے
ہمیشہ ہاتھوں میں اُس کے مری کتاب رہے

کسی کا جب بھی یہاں آپ فردِ جرم لکھیں
ہمارے جرمِ تمنّا کا بھی حساب رہے

مری زمین اندھیروں سے کب رہی خالی
سحر فروش ہمیشہ ہی دستیاب رہے

حضورِ تیشہ زناں، آذروں کی محفل میں
خِرد زدہ بڑی مشکل سے باریاب رہے

تمہاری بولتی آنکھوں میں تھے سوال کئی
نظر جو تم سے ملی ہم تو لاجواب رہے

تمام عمر رہے آپ اُلجھنوں کے شکار
جو بے نیاز تھے مقصد میں کامیاب رہے

جو اپنی ذات کی پہچان کھو گئے نیّر
بہت سے گھر یہاں ایسے بھی زیرِ آب رہے

خود ہی دب جائے گی ہمسایہ کی اونچی آواز
تم نے بدلا ہی کہاں اپنا گھریلو انداز

گھر سے جب ماں کے قدم چھو کے نکل جاتا ہوں
زندگی اور بڑھا دیتی ہے میرا اعزاز

سجدۂ شوق کو پائیں گے کہاں دیر و حرم
رُو برو آپ ہیں بس ہو چکی اب اپنی نماز

راستے شہرِ تمنّا کے سمٹ جاتے ہیں
ایک منزل پہ ٹھہر جاتے ہیں جب ناز و نیاز

جاگتی آنکھوں میں ہے اپنی اُجالا نہ دھُواں
اپنی خاموشیِ وفا کا ہے یہ کیسا اعجاز

دل نے زخموں کو چھُپانا تو بہت چاہا مگر
چشمِ پُرنم تو ہمیشہ ہی رہی ہے غمّاز

کس کی آواز سے سمجھوتہ کرو گے نیّرؔ
اِس طرف ٹوٹا ہوا دل ہے اُدھر پردۂ ساز

میں اُمّی ہوں مگر فکر و نظر کی حد وہاں تک ہے
رسائی دیدہ ور، روشن ضمیروں کی جہاں تک ہے

وہاں تک ہم کو لے جائے گا رشتہ خود شناسی کا
زمیں کی پیاس جتنی دوستو! ابرِ رواں تک ہے

ہو اک ایسی صدا جو سینۂ شب چیر کر نکلے
یہ آوازِ جرس تو صرف اِسی اک کارواں تک ہے

پڑا رہتا ہے چوکھٹ پر ہمیشہ بے نیازی سے
قلندر کی فضیلت بھی عطائے آستاں تک ہے

کہاں تم کھینچ کر لائے ہو، ہم خانہ بدوشوں کو
مسافر کے لئے یہ چھاؤں سر پر سائباں تک ہے

ہم اپنی وضع داری کا چلن ہرگز نہ بدلیں گے
ہماری جنگ کا یہ سلسلہ، تیر و کماں تک ہے

کریں ہم کونسے دانش وروں سے گفتگو نیرؔ
ہمارے دَور کی ذہنی تھکن، خوابِ گراں تک ہے

پھر نظمِ گلستاں اُسی قاتل کے ہات ہے
منسوب جس سے شہر کی ہر واردات ہے

پھرتا ہے شہر شہر لہو کی تلاش میں
ہر لمحہ اُس کا منتظرِ حادثات ہے

کیسے بچو گے تم نئے موسم کی ضرب سے
بربادیٔ چمن میں تمہارا بھی ہات ہے

بجھتے ہوئے چراغوں میں تنہا نہیں ہیں ہم
لمبے سفر میں آبلہ پائی کا ساتھ ہے

رُکنے نہ پائے دوستو! خوشبو کا یہ سفر
شاہین نظر ہلوں میری یہی کائنات ہے

نیّرؔ رئیسِ شہر سے کیا گفتگو کریں
یہ زندگی تو سلسلۂ حادثات ہے

ضمیر کہتا ہے میں نے ہی دل دُکھایا ہے
بہت دنوں سے تمہارا اُداس چہرہ ہے

اُبھر کے آئے ہیں پھر ذہن و دل پہ تازہ نقوش
نئی ہے چوٹ مگر سلسلہ پُرانا ہے

وہ ایک چاند کہ ٹھنڈک ہے جس کا سارا وجود
کسے خبر تھی مرے گھر اُترنے والا ہے

بہت دُکھی ہو تو خود کو سمیٹ کر رکھنا
کوئی قریب سے ہو کر گزرنے والا ہے

حصارِ دیر و حرم سے نکل کے آیا ہوں
تمہیں بتاؤ کہاں مجھ کو سر جُھکانا ہے

مرے بدن میں ہے سجادگی کی خوشبو مگر
انا پسند طبیعت، قلندرانہ ہے

بہ ایں شکستگی جاؤ گے تم کہاں نیرؔ
اِسی گلی میں ہی میرا غریب خانہ ہے

کتنی مشکل سے میں سمٹا ہوں بکھر جانے کے بعد
جان میری بچ گئی قاتل کے گھر جانے کے بعد

اپنے ہمسایہ کی ٹھنڈک پھر سے یاد آتی رہی
شہرِ نامعلوم میں کچھ دم ٹھہر جانے کے بعد

یوں ہوا محسوس زنجیروں میں ہوں جکڑا ہوا
آخرِ شب تیرے کوچے سے گزر جانے کے بعد

جانے وہ کس کے تعاقب میں گئی ہے دوستو
لوٹ کر آئی نہیں پہلی نظر جانے کے بعد

ایک نسبت مجھ کو بھی ٹوٹی ہوئی کشتی سے ہے
آؤں گا ساحل پہ میں دریا اُتر جانے کے بعد

تبصرہ حالات پر ویسے بھی اب ممکن نہیں
گفتگو ہوگی تری زلفیں سنور جانے کے بعد

رات بھر لڑتا رہا نیّرؔ اُجالوں کے لئے
صبح لے آئے ہو تم دستار سر جانے کے بعد

کس کس کو یہاں کرتے رہوگے نظر انداز
چھولے گی بلندی کو کبھی گرمیٔ پرواز

لہجے کی متانت کو بچا رکھئے خدا را
آواز بدل جائے تو چھن جائے گا اعزاز

پھر کس لئے سمجھوتہ کیا تم نے صبا سے
تنہائی میں جی لینے کا تم کو تھا بڑا ناز

سونپا تھا مجھے تم نے جو اک درد کا رشتہ
برسوں سے مرے سینے میں ہے دفن وہ اک راز

ویسے تو کئی لوگوں سے ہے اپنا تعارف
کیوں زخمی تکلم کا تجھی سے ہوا آغاز

مدت ہوئی سب تارِ نفس ٹوٹ چکے ہیں
اس شہرِ خموشاں میں کوئی ساز نہ آواز

نیرؔ یہ ہیں سب ایک ہی رشتے کا تسلسل
خوشبو کا سفر ہو گلِ تازہ ہو کہ شہناز

رِندوں کو جو مے خانے میں پینے نہیں دیں گے
ہم اُن کو کبھی چین سے جینے نہیں دیں گے

ساحل پہ جلا ڈالیں گے سب کشتیاں لیکن
ثابت تمھیں ہم اپنے سفینے نہیں دیں گے

ہمت ہے تو آجائیے دروازہ کھُلا ہے
ہم گھر میں اُترنے کبھی زینے نہیں دیں گے

قائم ہے یہاں خانہ بدوشوں کی بھی اک شان
ہم اپنے قبیلے کے قرینے نہیں دیں گے

دامن پہ اُتر آئیں تو چُن لیجیے آنسو
جو دفن ہیں سینے میں دفینے نہیں دیں گے

ہر گھاؤ پہ نیّرؔ اُسی قاتل کے نشاں ہیں
ہم زخم کسی اور کو سینے نہیں دیں گے

پھر نئی اُلجھن میں ہوں نزدیک سے گزرا ہے کون
اس طرح سے اپنے گھر کو چھوڑ کر جاتا ہے کون

روشنی بن کر پسِ دیوارِ شب گر تم نہ تھے
شب کے سنّاٹے میں اکثر رات بھر جلتا ہے کون

پھر نئے موسم کے تازہ پھول ہاتھوں میں لئے
دل کے دروازے پہ دستک آج پھر دیتا ہے کون

دوشِ پر بادِ صبا کے اُڑنے والے دیکھ لے
نقشِ پا بن کر تری راہوں میں اب بیٹھا ہے کون

تشنہ لب، تیشہ بہ کف، کب تک رہوں گا دوستو
مجھ کو خود میں ڈھونڈنے والا یہاں ایسا ہے کون

گلستاں میں اس طرح کی بھیڑ پہلے تو نہ تھی
چلئے دیکھیں شاخِ گُل سے ٹوٹ کر بکھرا ہے کون

راہ تکتے تکتے نیتر، ہو گئیں پلکیں سفید
دیکھنا ہے صبح کے ہمراہ گھر آیا ہے کون

اب کہاں جائے گا مجھ جیسا مسافر آخر
کب سے ٹھہرا ہوں میں دروازہ پہ دستک دے کر

جانے کب کون دبے پاؤں یہاں آیا تھا
گرم ہے آج تلک بھی وہ اکیلا بستر

اب تو بے سائیاں لوگوں میں بسر ہوتی ہے
تم نے آواز نہ دی میرے ہی گھر میں رہ کر

ہم تو برسوں سے ہیں مخمور نگاہی کے اسیر
اپنی آنکھوں کو جھکاؤ کہ بڑھاؤ ساغر

مجھ کو احساس کہاں ہوگا اکیلے پن کا
تم تو رہتے ہو ہمیشہ کی طرح ساتھ اکثر

جس کو چھونے سے تھکن دور ہوا کرتی تھی
میرا وہ لمحۂ شاداب کہاں ہے نیر

شعر کہتا ہوں ہمیشہ بچ کے طرزِ عام سے
ہر غزل کی ابتدا کرتا ہوں تیرے نام سے

غم شناسوں کے لئے یہ وقت ابھی موزوں نہیں
گفتگو ہوگی کسی دن گردشِ ایام سے

آپ سے ہم مطمئن تھے دشمنی جب تک رہی
دل مگر گھبرا رہا ہے دوستی کے نام سے

تہمت دیوانگی کس گھر سے ہوکر آئی ہے
پارسائی زد میں آئی پیار کے الزام سے

کاسۂ دریوزہ دے کر اہلِ فن کے ہاتھ میں
زندگی سوئی ہوئی ہے کس قدر آرام سے

مجرموں کی طرح ہم کب تک پسِ پردہ رہیں
کب تلک جیتے رہیں ہم مصلحت کے نام سے

رقصِ پروانہ پہ رہتی ہے یہاں سب کی نظر
کس کو ہمدردی ہے نیرؔ شمع کے انجام سے

نظر بچا کے مری چشمِ تر میں رہتی ہے
وہ ایک پیاس جو پہلی نظر میں رہتی ہے

رئیسِ شہر تو ہے کاسۂ تہی کی طرح
انا تو صرف فقیروں کے گھر میں رہتی ہے

اسی لئے ہی تو ذہنی تھکن نہیں ہوتی
ترے خیال کی خوشبو سفر میں رہتی ہے

وہ ایک لاش جسے دفن کر کے بھول گئے
سنا ہے اب بھی مسیحا کے گھر میں رہتی ہے

ترے بدن کی مہک جو کسی بھی گل میں نہیں
کبھی کبھی وہ نسیمِ سحر میں رہتی ہے

قلندروں کی رفاقت میں مل گئی نیّر
وہ اک خوشی جو غمِ معتبر میں رہتی ہے

کب تلک ہم بھی رہیں بے سر و سامانِ حیات
کونسی رُت میں رفو ہوگا گریبانِ حیات

اب تو ٹوٹا ہوا آئینہ بھی ہاتھوں میں نہیں
کون سُلجھائے گا اب زُلفِ پریشانِ حیات

زندگانی! تری پہچان بہت مشکل تھی
ہم فقیروں کی دُعاؤں سے بڑھی شانِ حیات

جس کی خاطر یہاں شبنم نے بہائے آنسو
تشنہ لب اب بھی ہے وہ شامِ غریبانِ حیات

مجھ کو تنہا تو نہ کر دیدۂ پُرنم کی طرح
عمر بھر ساتھ رہا ہے ترا اے جانِ حیات

خونِ ارماں ہے اِدھر اور اُدھر دل کا لہو
کون سے رنگ سے لکھتا رہوں عنوانِ حیات

کاش ملتی ہمیں چھُونے کی سعادت نیّر
ماں کے قدموں کی طرح رہتا ہے دامانِ حیات

پا بہ جولاں شہر میں اُس شخص کو لائے گا کون
ایسے دیوانے کے سر پر تاج پہنائے گا کون

زندگی کے درد کو تنہا سمجھنے کے لئے
رات کے شانوں پہ اپنی زُلف بکھرائے گا کون

خونِ دل سے لکھ رہا ہوں زندگی کا مرثیہ
ایسی حالت میں مجھے اب چھوڑ کر جائے گا کون

کس بلندی پر میں رہتا ہوں تمہیں معلوم ہے
سطح بیں لوگوں کو اتنی بات سمجھائے گا کون

زندگانی پھر ترے آئینہ خانوں کے لئے
پتھروں کے شہر سے اب جا کے ٹکرائے گا کون

دل کی دھڑکن دوست کی مانند میرے ساتھ ہے
ایسی باتوں سے مجھے اب پھر سے بہلائے گا کون

یوں تو راس آئی ہے نیرؔ تازہ موسم کی ہوا
پیار کی خوشبو سے میرے گھر کو مہکائے گا کون

ان آنکھوں میں پھیلا ہوا کاجل نہ ملے گا
لیلیٰ کے لئے پھر کوئی پاگل نہ ملے گا

خود اپنی ہی باہوں میں سمیٹے ہوئے رہیئے
کل موسمِ گُل میں کوئی آنچل نہ ملے گا

آتی ہی رہیں گی یہاں کچھ ٹھنڈی ہوائیں
جو ٹوٹ کے برسے وہی بادل نہ ملے گا

جو کچھ بھی محبت میں ملے باندھ کے رکھنا
جو آج میسّر ہے تمہیں کل نہ ملے گا

تسکینِ نظر کے لئے اک عمر پڑی ہے
تہذیبِ نظر کے لئے اک پل نہ ملے گا

تلوار کبھی ہاتھ سے گرنے نہیں دینا
کل تیرے خیالات میں کس بل نہ ملے گا

اُلجھے گی حیات اور خردمندوں سے ناتؔر
جز رسمِ جنوں کوئی تمہیں حل نہ ملے گا

حیدرآباد ہوں میں، میرے مقابل تو ہے
میری مہکی ہوئی تہذیب کا قاتل تو ہے

کون اب روکے گا بڑھتے ہوئے طوفانوں کو
تجھ کو اندازہ نہیں ہے، لبِ ساحل تو ہے

کتنے دھندلائے ہوئے ہیں ترے چہرے کے نقوش
آئینہ دیکھ تو لے کِس کے مقابل تو ہے

ہر نئی صبح، نئی شکل دکھاتا ہے ہمیں
جانے کن لوگوں میں اک عمر سے شامل تو ہے

کتنے آثار مٹا ڈالے نئے نام کے ساتھ
پہلی اور آخری اِس شہر کی مشکل تو ہے

کل کوئی چھین کے لے جائے گا مسند تیری
خوش نہ ہونا کہ ابھی زینتِ محفل تو ہے

سب کے سب شہر میں لاعلم ہیں نیرؔ کی طرح
جانے کس محفلِ بے نام کا حاصل تو ہے

حیدر آباد

پیار ہم سب کو ملے تازہ اُجالوں کی طرح
جگمگاتا رہے یہ شہر چراغوں کی طرح

آسمانوں کی بلندی کو بھی چھُو لیتی ہے
اس کے ذرّوں کی چمک چاند ستاروں کی طرح

دوستو! روشنی تقسیم کہاں ہوتی ہے
سب علاقے ہمیں پیارے ہیں عزیزوں کی طرح

ہم کو ہر سمت سے ملتی رہے تازہ خوشبو
ہم مہکتے رہیں ہر رُت میں گلابوں کی طرح

یہ چمن سب کا ہے خوشبو کا سفر ہے سب کا
ہم تر و تازہ رہیں گے یہاں پھُولوں کی طرح

وقت آجائے تو مل جائیں گے ہم خانہ بدوش
ماں کے قدموں میں وطن دوست شہیدوں کی طرح

سُہیل کی پہلی سالگرہ پر

سُہیل! میرے گھرانے کا ایسا تازہ گلاب
کہ جس کے جسم میں چندن کی تازہ خوشبو ہے
جو مسکرائے تو آنگن میں پھول مسکائیں
فلک کے زینے سے تارے اُتر کے آجائیں

سُہیل! میرے قبیلے کا ایسا اک مہتاب
کہ جس کی نرم سُنہری سی، چاندنی ہر دم
رہے گی تازہ اجالوں کی طرح پھیلی ہوئی
ہمارے گھر کے ہر اک گوشہ تہی کے لئے

سُہیل! میرے گھرانے کا ایسا اک شہکار
کہ جس کے ہونٹوں سے امرت ٹپکتا رہتا ہے

ہر اک نفس میں ہر اک لمحہ روشنی کی طرح
ہر اک نفس میں ہر اک لمحہ تازگی کی طرح

مہکتے ہونٹ، تبسّم نواز یہ چہرہ،
نگاہ تیز، شگفتہ بدن، کنول جیسا
کشیدہ ابرو، طبیعت میں تو گُل و گلزار

ترے یہ بکھرے ہوئے مہکے مہکے سے گیسو
دراز پلکیں، رئیسوں کی چلمنوں کی طرح
تمام گھر کے لئے ایک ایسا تحفہ ہے
کہ جس کو چھو کے نسیم سحر سنور جائے
کہ جس کو دیکھ کے ساری تھکن اُتر جائے

چشمِ انتظار

خوشبو کی لہر شاملِ جذبات ہو گئی
صحنِ چمن میں پھولوں کی برسات ہو گئی
یہ بھی شگفتہ موسمِ گُل کا ہی فیض ہے
بچھڑی ہوئی صبا سے ملاقات ہو گئی

ٹھہری ہوئی ہے کب سے یہاں چشمِ انتظار
مجھ کو رہا ہمیشہ محبّت پہ اعتبار
اِس فصلِ گُل میں بچھڑے ہوئے دوست کیلئے
گھر اپنے لوٹ آیا ہے پھر موسمِ بہار

تُو خود ہی اپنی ذات سے ہے ایک انجمن
تجھ میں ہے اب بھی اپنے قبیلے کا بانکپن
ظاہر ہے تجھ سے اب بھی وہی سرحدی وقار
اُترے نہ تیرے جسم سے پھولوں کا پیرہن

اگلے برس بھی آنا اِسی سادگی کے ساتھ
خوشبو کا اک سفر ہے تری زندگی کے ساتھ
رشتوں کی بھیڑ میں کبھی تنہا رہوں نہ میں
ہر رُت میں آتے رہنا اِسی تازگی کے ساتھ

نیرؔ مرا ہے دوست بھی وہ کاملِ صفات
جس کے کرم کی آس میں ہے تشنہ لب حیات
اُس کی ہتھیلیوں پہ بھی اشکوں کے پھول رکھ
اب کے برس بھی لوٹ نہ جائے وہ خالی ہاتھ

دُور بھی ہو پاس بھی ہو

عید کا چاند ہو تم، دُور بھی ہو پاس بھی ہو
چشم پُرنم بھی ہو مہکا ہوا احساس بھی ہو

جب نہ آہٹ ہے نہ ہلچل ہے نہ پُرکیف فضا
دل کے دروازہ پہ کیوں آتی ہے دستک کی صدا

کون آبیٹھا ہے چپکے سے رگِ جاں کے قریب
دل کے آنگن میں اُتر آیا ہے کیوں عکسِ حبیب

ہے سفر جاری، خیالوں کی گزر گاہوں سے
آرزو دید کی لوٹ آئی ہے بازاروں سے

عید کا دن بھی گذر جائے گا خوابوں کی طرح
جانے کب آؤ گے تم تازہ اُجالوں کی طرح

عید کا چاند ہو تم، دُور بھی ہو پاس بھی ہو
چشمِ پُرنم بھی ہو مہکا ہوا احساس بھی ہو

دِلوں کے آئینے

ہمارے شہر میں کچھ اِس طرح آپ آئے ہیں
قدم قدم پہ کئی پھول مُسکرائے ہیں
بڑے خلوص سے ہم اپنے مہمان کے لئے
دِلوں کے آئینے ہاتھوں میں لے کے آئے ہیں
یہ سرزمینِ دکن ہے نصیب والوں کی
یہاں کی مٹی نے نیلم کئی اُگائے ہیں
خلوص پیار، وفا جن کا خاص مسلک ہے
ہم ایسی بزم میں دل کے چراغ لائے ہیں
اِسی لئے یہاں خوشبو ہے تازہ پھولوں کی
یقیں ہے آپ گلستاں سے ہو کے آئے ہیں
ہزاروں لوگ صبا کا لباس پہنے ہوئے
بھری بہار میں کچھ پھول چُننے آئے ہیں

نقوش

یہ کون آیا ہے محفل میں زندگی کی طرح
دُھلی دُھلی سی سحر بن کے روشنی کی طرح

ہیں فرشِ راہ سبھی کون آنے والا ہے
ہے عطر بیز فضا، دائمی خوشی کی طرح

نئے سفر میں بھی خوشبو کی لہر چلتی رہے
نقوش چھوڑیئے پائندہ دوستی کی طرح

ہمیں بتایئے ہم کس کو لوٹ کر چاہیں
خلوص آپ کا ملتا ہے آپ ہی کی طرح

نئی فضاؤں میں بھی دوستوں کا پاس رہے
نظر نہ آئے کوئی کاسۂ تہی کی طرح

کسی بھی گوشۂ محفل میں ڈھونڈھ لو نیرؔ
ملوں گا میں تمہیں شائستہ زندگی کی طرح

اعزاز

کس کے اعزاز میں پھولوں سے سجی ہے محفل
اس قدر صاف نہ تھا پہلے کبھی آئینہ دل
کس کی خاطر یہاں احباب چلے آئے ہیں
کس لئے ہونٹوں پہ پھولوں کو سجا لائے ہیں
کس لئے عطر میں ڈوبا ہوا ہے صحنِ چمن
کس لئے ہے یہاں بدلا ہوا پھولوں کا چلن
کس لئے دامنِ گلشن میں ہیں مہکے ہوئے پھول
کون ہے محفلِ احباب میں اتنا مقبول
غالباً بزم میں اعزاز کی دولت کی طرح
کوئی آئے گا یہاں صاحبِ عظمت کی طرح
جس کی عظمت کا ہر اک دل پہ ہے اک گہرا اثر
جس کی خدمات کا ہے ذکر یہاں شام و سحر

جس کے لہجے میں ہمیشہ رہی نغموں کی مٹھاس
جس کے ہونٹوں پہ رہی ہے یہاں اوروں ہی کی پیاس
جس کے ہر گام سے ملتا رہا منزل کا نشاں
جس کی اب چشمِ کرم بن گئی ہے فیض رساں
ایسا اک شخص ہی اب زینتِ محفل ہے یہاں
باوقار ایسا ہی اب عظمتِ محفل ہے یہاں
آپ تا عمر مہکتے رہیں پھولوں کی طرح
زندگی گزرے یہاں تازہ گلابوں کی طرح

ایک صبح کے نام

تمام عمر کچھ اِس طرح آپ ہم میں رہے
چراغ جیسے غریبوں کی جھونپڑی میں جلے

مہک رہے تھے جو برسوں سے ذہن اور دل میں
کِھلے ہیں پھول وہ محنت کشوں کی محفل میں

غریب لوگوں کے دل میں بھی کچھ اُجالا ہوا!
جو بدنصیب تھا کل تک، نصیب والا ہوا

کچھ ایسا ہو کہ کسی لب پہ آج پیاس نہ ہو
کچھ ایسا ہو کہ کوئی بھی یہاں اُداس نہ ہو

یہاں جہاں پہ بھی مہکیں گے جسم پھولوں کے
وہاں وہاں پہ رہیں گے قدم اُجالوں کے

بھلے لوگ

صف بہ صف لوگ تھے کتنے ہی سوالوں کی طرح
آپ محفل میں جب آئے تھے اُجالوں کی طرح

دل کی دہلیز پہ دیپک سے جلے ہوں جیسے
آپ اس طرح چلے آئے چراغوں کی طرح

لوٹ کر شہر جب آپ آئے تھے برسوں پہلے
صف میں ہم بھی تھے کھڑے تازہ سوالوں کی طرح

ہم ہیں شادابیِ گلشن میں برابر کے شریک
ہم نہیں ہیں یہاں ٹوٹے ہوئے خوابوں کی طرح

ہم گلِ تازہ ہیں مہکے ہوئے گل دانوں کے
ہم یہاں تھے ہی نہیں خالی مکانوں کی طرح

وضع داری پہ کبھی حرف نہ آیا اپنی
گو بدلتے رہے حالات سوالوں کی طرح

جب سُنا ہم نے کہ رخصت ہوئی جاتی ہے بہار
دل پہ ہر لمحہ گراں ہے کئی برسوں کی طرح
زندگی بھر کی تھکن ٹوٹ کے رہ جاتی ہے
جب بکھر جاتے ہیں کچھ لوگ سوالوں کی طرح

اپنے جب مل کے جُدا ہوتے ہیں دل دکھتا ہے
لوگ کیوں آتے ہیں محفل میں فسانوں کی طرح
کچھ بھلے لوگ تھے وہ بھی ہوئے رخصت نیر
کون ملتا ہے یہاں ہم سے عزیزوں کی طرح

کل کا ہندوستان

یہ مہکے مہکے شگفتہ سے پھول جیسے بدن
گلابِ تازہ کی مانند مسکراتے ہوئے
یہ نونہالِ چمن ہیں، وطن کا مستقبل
ہر ایک رُت میں رہیں گے جو زینتِ محفل
یہ روشنی کے امیں ہیں، ہمارے گھر کے چراغ
شگفتہ دل ہیں تو ہیں ان کے پھول جیسے دماغ

یہ بچے کل جو مہکتے تھے ماں کے دامن میں
یہ بچے گھومتے رہتے تھے کل جو آنگن میں
یہ بچے آج ہیں اسکول، مدرسوں کی طرف
رواں دواں کسی مہکے ہوئے بدن کی طرح
یہ بچے ہاتھوں میں جن کے کبھی کھلونے تھے
اب اُن کے ہاتھوں میں ہیں کاپیاں، کتابیں قلم
خوش آمدید کرے گا انھیں ہر اک موسم

بنیں گے اُن میں سے کچھ ڈاکٹر، پروفیسر
کچھ انجنیر بنیں گے تو بعض صنعت کار
کچھ ان میں غالبؔ و اقبالؔ ہوں گے کچھ ٹیگورؔ
کچھ ان میں حافظِ شیراز اور کالیداس
یہ بچے قوم کی تاریخ ہیں امانت ہیں
یہ بچے ملک کی دولت، وطن کی عظمت ہیں

انھیں یہ کہنا ہے اسلاف کی امانت ہو
انھیں بتانا ہے جو روشنی کا مصرف ہے
انھیں بتانا ہے یہ انجمن سبھوں کی ہے
انھیں بتانا ہے یہ روشنی سبھوں کی ہے

انھیں یہ کہنا ہے مل جل کے سب یہاں پہ رہیں
نہ کوئی پیار کو ترسے نہ کوئی پیاسا رہے
یہ اُن سے کہنا ہے مریمؔ کی آبرو کے لئے
یہاں کبھی کسی سیتاؔ کی ہو نہ رسوائی
یہ اُن سے کہنا ہے سلمیٰؔ وطن کی دولت ہے
یہ اُن سے کہنا ہے رادھاؔ بھی گھر کی زینت ہے

عابد علی خاں صاحب (مدیر سیاست) کو
حکومتِ ہند کا صحافتی ایوارڈ
ملنے پر

کس کو نہ ہوگی آپ سے ملنے کی آرزو
آغازِ حرفِ شوق، صحافت کی آبرو

وہ لمحۂ نشاط، جو اعزاز بن گیا
کرنے لگا ہے آج بھی پھولوں سے گفتگو

تزئین و تازگیِ سیاست کے واسطے
جلتا رہا دماغ، پگھلتا رہا لہو

ہر اک ورق پہ تازہ گلابوں کے باوجود
محسوس آپ کرتے ہیں باقی ہے جستجو

تہذیبِ عہدِ رفتہ کی ہر ایک موڑ پر
شائستگی مزاج کی لائی ہے رنگ و بُو

ہر لمحہ پُر کشش رہی چہرے کی تازگی
منظر ہٹیں نہ ان کی جو بیٹھے تھے رُوبرو

محدود کب رہی ہیں تبسم نوازیاں
خوشبو شگفتہ ہونٹوں کی پھیلی ہے چار سُو

نیرّ یہ کس کی ذہنی رفاقت کا فیض ہے
شائستہ کن فضاؤں میں ضم ہو گیا ہے تو

کرکٹ کی دُنیا میں
اظہر الدین کی تاریخی کامیابی پر

●

دکن کی آبرو
اظہر!
نگاہِ شمس و قمر
چمن کی تازگی
اظہر،
رئیسِ فکر و نظر

چمک رہا ہے تُو ہندوستاں کے ماتھے پر
نئی سحر کے لئے
تازہ روشنی کے لئے

کچھ اِتنی تیزی سے اُبھرا جبینِ شہرت پر
جمی ہوئی ہے نظر تجھ پہ سارے عالم کی
کہ جیسے تُو ہے اُجالوں کی سرزمین کا سفیر
کہ جیسے فتح و ظفر کی ہو بولتی تصویر

فضائیں
عطر میں بھیگی ہوئی دولہن کی طرح
بکھر رہی ہیں تبسم نواز محفل میں
اُتر رہی ہیں سلیقے سے دیدہ و دل میں

نہ جانے کونسی گرمی ہے تیرے ہاتھوں میں
مشاہدات کی زنجیریں خود پگھلتی ہیں
دُھلی دُھلی سی سحر آئینوں سے چھنتی رہی

دکن کی آبرو!
اظہر!
نگاہِ شمس و قمر

چمن کی تازگی
اظہر!
رئیسِ فکر و نظر

ہر ایک لمحۂ شائستہ تیرے ہاتھ میں ہے
وطن کا پیار ترے دل کی واردات میں ہے۔

قُلی قطب شاہ

لبوں پہ جب بھی قطب شہ کا نام آتا ہے
خیالِ بھاگ متی، بزمِ دل سجاتا ہے
یہ کس کی آگ میں جلنے لگے ہیں پروانے
کھلا تھا پھول جو اس مقبرے کے دامن میں
وہ ہر برس تری خوشبو کو ساتھ لاتا ہے
اک ایسی تازہ ہے خوشبو یہاں کی محفل میں
اُداس چہرہ بھی تا دیر مُسکراتا ہے
وہ ایک لمحہ اثاثہ ہے جو محبّت کا
وہ لمحہ بھی کئی برسوں کے بعد آتا ہے
نگاہِ عشق میں چھوٹا بڑا نہیں ہوتا
سلوکِ عشق، دلوں کو قریب لاتا ہے

وفا شناس، محبت پسند، دورِ حیات
خلوص باہمی ورثہ میں چھوڑ جاتا ہے

وفا شناس نگاہیں

جلی تھی شمع جو تہذیبِ عاشقی کے لئے
ہم آج آئے ہیں اُس ایک روشنی کے لئے

وہ شہر یار کی چاہت ہو یا غریب کا پیار
عظیم ورثہ ہے شائستہ زندگی کے لئے

گلوں کے شہر میں خوشبو کا کوئی موسم ہو
صبا کا فیض ہے جاری ہر اک کلی کے لئے

بسی ہوئی تھی قطب شہ کے دل میں بھاگ متی
وفا شناس نگاہوں کی روشنی کے لئے

یہ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں یہ عطر بیز فضا
یہ کس کا فیض ہے ذہنوں کی تازگی کے لئے

اسے بھی بزمِ قطب شہ میں لائیے نیّر
سمٹ سمٹ کے جو بکھرا ہے دوستی کے لئے

بھاگ متی اپنے آنگن میں

شہرِ وفا ہیں کل تھے یہاں کون گل فشاں
بکھری ہوئی ہے شہر میں پھولوں کی داستاں
خوشبوئے تازہ ، پیار کے لمحوں پہ مہرباں
شاہانہ عظمتوں کا تھا ہر لمحہ پُر وقار
برسوں رہی ہے بھاگ متی چشمِ انتظار
تب شہرِ گل بنا ہے محبت کی یادگار

شہزادہ تخت و تاج کی عظمت سے بے نیاز
تھا حسن کو بھی عشق کی دیوانگی پہ ناز
تہذیب عاشقی کا تھا ہر لمحہ دل نواز
نرمی شگفتہ ہونٹوں کی شامل تھی پیاس میں
خوشبو قلی کی بھاگ متی کے لباس میں

چڑھتی ہوئی ندی کو تھا عاشق پہ اعتبار
برسوں رہی ہے بھاگ متی چشمِ انتظار
تب شہرِ گل بنا ہے محبت کی یادگار

اِس سجدہ گاہِ عشق کا ہر ذرّہ ہے گواہ
یکساں رہی ہے سب پہ قطب شاہ کی نگاہ
باآبرو تھے مندر و مسجد کہ خانقاہ
تھے ہندو مسلم اپنی شرافت کی خود مثال
خوشبو کا نام لے کے گزرتے تھے ماہ و سال
ہر ایک رُت میں اپنا تھا ماحول خوشگوار
برسوں رہی ہے بھاگ متی چشمِ انتظار
تب شہرِ گل بنا ہے محبت کی یادگار

لیکن ہوا کچھ ایسا کہ سب کچھ بکھر گیا
یہ کیسا زہر اپنی رگوں میں اُتر گیا
اِتنا لہو بہا کہ مسیحا کے گھر گیا
رادھا، طلوعِ صبح سے پہلے پگھل گئی
سلمیٰ سہاگ رات کے دامن میں جل گئی

پھولوں کا رس نچوڑ نہ دے قاتلِ بہار
برسوں رہی ہے بھاگ متی چشمِ انتظار
تب شہرِ گُل بنا ہے محبت کی یادگار

آؤ کہ پھر سے گیت محبت کے گائیں گے
سب کچھ بھُلا کے پیار کی شمعیں جلائیں گے
کھاؤ قسم کہ اب نہ بہے گا یہاں لہو
لٹنے نہ پائے شہرِ محبت کی آبرو
مجروح ہو نہ جائے کبھی پیار کا وقار
برسوں رہی ہے بھاگ متی چشمِ انتظار
تب شہرِ گُل بنا ہے محبت کی یادگار

جواہر لال نہرو

بہت ہی سوچ کے میں نے قلم اُٹھایا ہے

قلم اُٹھایا ہے اُس شخص پر کہ جس کی حیات
ہمیشہ گرمئ حالات سے پگھلتی تھی
قلم اٹھایا ہے اُس شخص پر کہ جس کی حیات
چراغ بن کے اندھیروں میں روز جلتی تھی
قلم اٹھایا ہے اُس شخص پر کہ جس کی حیات
کوئی بھی رُت ہو بہر حال مُسکراتی تھی
بلا تعیّنِ اوقات جگمگاتی تھی!

ہزاروں زخم تھے اہلِ وطن کے سینے پر
حیات جس کی گلستانِ آرزو کی طرح
خلوص، پیار کے مرہم کو اپنے ساتھ لئے
ہر اک نظر میں اُبھرتی تھی روشنی بن کر
ہر ایک لب پہ تھی پھولوں کی تازگی بن کر

بہت ہی سوچ کے میں نے قلم اُٹھایا ہے
قلم اُٹھایا ہے اُس شخص پر کہ جس کی حیات
کروڑوں زخمی دلوں کے لئے مداوا تھی
کروڑوں بجھتے گھروں کے لئے اُجالا تھی
حیات جس کی ہمیشہ رہی ہے فیض رساں
حیات جس کی رہی ہے شعورِ راہبراں

بہت ہی سوچ کے میں نے قلم اُٹھایا ہے
وہ جانتا تھا کہ اشکوں کی آبرو کیا ہے
وہ جانتا تھا کہ کتنی لہو کی قیمت ہے
وہ جانتا تھا کہ غربت کی زندگی کیا ہے
وہ جانتا تھا کہ کٹیا کی روشنی کیا ہے
وہ جانتا تھا کہ دامن کو اپنے پھیلائے
ہزاروں لوگ اک اک بُوند کو ترستے ہیں
کرم کی آس میں ہر گام پر ٹھہرتے ہیں

بہت ہی سوچ کے میں نے قلم اُٹھایا ہے
کچھ اس طرح سے یہ سوچا ہے احترام کروں
اُس ایک شخص کا جس کی نظر کی گرمی سے

ستم شعاروں کے اوراقِ دل سُلگتے تھے
اُس ایک آگ سے پتھر کے دل پگھلتے تھے

کچھ اِس طرح سے یہ سوچا ہے اعتزام کروں
دل و نظر ہی نہیں، جذبۂ عقیدت بھی
شعور و فکر کی عظمت پہ خود ہی ناز کرے
کبھی نہ سازشی لمحوں سے ساز باز کرے

بہت ہی سوچ کے میں نے قلم اٹھایا ہے
کچھ اِس طرح سے یہ سوچا ہے گفتگو کر لوں
عظیم رہنما، نہرو کی زندگانی سے
کہ آج زہر میں ڈوبی ہوئی فضاؤں میں
سمٹ نہ جائیں کہیں صاحبانِ فہم و ذکا
دل و نگاہ میں چھائے نہ تیرگی کی فضا
اندھیرے، شب کی نگاہوں کا زہر پی پی کر
اُجالے مانگنے والوں سے ہمکنار نہ ہوں
خزاں پسند کبھی شاملِ بہار نہ ہوں
بہت ہی سوچ کے میں نے قلم اٹھایا ہے

پسِ دیوارِ شب

(نذرِ اندرا گاندھی)

یہ ہم بھی جانتے ہیں روشنی کا قتل ہوا
مگر یہ قتل تسلسل ہے اُن اندھیروں کا
کہ جن کے زہر سے لپٹی ہوئی رداؤں میں
بہت سے چہرے تو اپنے ہی جیسے ملتے ہیں
یہ اور بات کہ شکلیں جُدا جُدا سی ہیں

کبھی وہ شکلیں
اُبھرتی ہیں دوستوں کی طرح
کبھی وہ شکلیں اُبھرتی ہیں
دشمنوں کی طرح

یہ ہم بھی جانتے ہیں روشنی کا قتل ہوا
مگر یہ قتل تو اُس ایک روشنی کا ہے
کہ جس کے نام سے بڑھتا رہا وطن کا وقار
کہ جس کے فیض سے چلتی رہی نسیم بہار

اِندرا گاندھی

صدائیں کتنی ہی نزدیک و دُور سے آئیں
مگر کسی کی بھی آواز دل کو چھو نہ سکی
سُنائی دیتی رہی ہم کو اک وہی آواز
گلابِ تازہ کی نازک سی پنکھڑی کی طرح
جو بھینی خوشبو کو پیراہنِ بدن میں لئے
اچھوتے لہجے میں تا دیر مُسکراتی تھی
اُجالا بن کے ہر اک سمت پھیل جاتی تھی

نظر بلند، صداقت پسند وہ رہبر
شگفتہ ذہن، شرافت نگاہ، دیدہ ور
کرم نواز، تر و تازہ زندگی کی طرح
ہر ایک رُت میں رہا ہے یہاں پہ فیض رساں
ہر ایک رُت میں اُٹھاتا رہا ہے بارِ گراں

زمانہ دیتا ہے قربانیوں کی جس کی مثال
تو اُس عظیم گھرانے کی ایسی خوشبو تھی
کہ تیرا نام ہمیشہ جبینِ بھارت پر
حسین چاند کی جھومر کی طرح چمکے گا

ہر ایک دور میں ہم جیسے شاعروں نے یہاں
ہزار نغمے لکھے ہیں ہر ایک صبح کے نام
کبھی بہار کے نغمے، نئی کرن کے لئے
کبھی تو گیت لکھے، عظمتِ وطن کے لئے

ہر ایک دور میں ہم جیسے شاعروں نے یہاں
بہت سے ٹوٹے ہوئے آئینوں کو چُن چُن کر
سنبھالے رکھا تھا برسوں سے اپنے دامن میں
اک ایسی صبحِ منوّر کے واسطے جس میں
ہر ایک چہرہ دکھائی دے روشنی کی طرح
حسین، صاف، تر و تازہ زندگی کی طرح

مگر یہ کیا کہ اندھیروں کا جال پھیلا ہے
سحر پرستوں کے گھر ایسی صبح بھی آئی

کہ جس کے چہرے پہ تھے ان گنت لہو کے نشاں
کہ جیسے ہونے ہی والا ہے حادثہ کوئی

بہت سی صبحوں سے رشتہ ہے یوں تو اپنا مگر
اُس ایک صبح کے دامن پہ لکھ رہے ہیں ہم
لہو سے دل کے اس ہندوستان کی تاریخ
کہ جس کی پہلی کرن خون میں نہائے ہوئے
فضائے ہند میں ماتم کناں سحر کی طرح
کھڑی ہوئی ہے ندامت سے سر جھکائے ہوئے

یہ سانحہ نئے ہندوستاں کے ماتھے پر
ہمیشہ حرفِ ملامت کی طرح ابھرے گا
یہ سانحہ نئے ہندوستاں کی آنکھوں سے
ہر ایک لمحہ کی تاریخ بن کے ٹپکے گا

انا پسند، قلندر مزاج ہم شاعر
کہ جن کو ناز رہا، اپنی کج کلاہی پر
کہ جن کا سر کسی قائد کے سامنے نہ جھکا
تری جناب میں اب اپنا سر جھکاتے ہیں

یہ اس لئے کہ ترے جسم سے مہکتی ہے
وفا، خلوص، رواداری، پیار کی خوشبو

یہ اس لئے کہ ہے تیری خمیر میں شامل
مہکتے جھومتے ہندوستان کی خوشبو
یہ اس لئے کہ ہمیں آبِ زر سے لکھنی ہے
نئی سحر نئے ہندوستان کی تاریخ

ڈاکٹر نور

علم و فن کے یہ در و دیوار مہکائے گا کون
بے لباسی ہو تو پھولوں کی قبا لائے گا کون

جس کے دم سے کتنے ہی دانش کدے روشن ہوئے
ایسے دیوانے کو پھر سے بزم میں لائے گا کون

اہلِ فن ایوانِ اردو میں تو آئے ہیں مگر
اب انھیں مسند نشینی کے لئے لائے گا کون

کیسے کیسے لوگ تہہ خانوں کی زینت بن گئے
تازہ تازہ روشنی میں اُن کو اب لائے گا کون

اہلِ اُردو کتنے ہی خانوں میں بٹ کر رہ گئے
گیسوئے تہذیبِ فتنہ! تجھ کو سلجھائے گا کون

آئینہ خانے میں نیّر چند چہرے رہ گئے
کل تمہاری شاعری سننے یہاں آئے گا کون

متاعِ لوح و قلم
(نذرِ فیض احمد فیضؔ)

اُس ایک شخص کی محفل میں آ گیا ہوں میں
کہ جس کی فکر کی دولت سمیٹنے کے لئے
بہت سے اہلِ قلم کاسۂ تہی لے کر
کھڑے ہوئے ہیں کسی تشنہ لب سحر کی طرح

اُس ایک شخص کی محفل میں آ گیا ہوں میں
فضائے ذہنِ رسا جس کی جگمگاتی تھی
ہمیشہ جس کے قلم سے فضا بدلتی تھی
نئی سحر کے لئے تازہ روشنی کے لئے

وہ ایک شخص پگھلتا رہا جو شام و سحر
کیا نہ جس نے اندھیروں سے کوئی سمجھوتہ

گریز جس کو رہا مصلحت شناسی سے
اُس ایک شخص کی محفل میں آگیا ہوں میں

مجسموں کے لئے آئینوں سے چھن چھن کر
پیامِ صبح، اجالوں کا پیرہن اوڑھے
کہاں کہاں نہ گیا زندگی کی چاہت میں
معاشرے کی رگوں میں کبھی لہو بن کر
ٹپکتا رہتا تھا ہر سمت پھیل جاتا تھا
وہی تھی جس کو اجالوں کی سرزمیں کی تلاش
بکھر گیا جو فضا میں کرن کرن کی طرح
اُس ایک شخص کی محفل میں آگیا ہوں میں

اُس ایک شخص کی محفل میں آگیا ہوں میں
متاعِ لوح و قلم جس سے چھن گئی تھی کبھی
کہ خونِ دل میں ڈبوئی تھیں انگلیاں جس نے
نئی حیات، شگفتہ سی زندگی کے لئے
اُس ایک شخص کی محفل میں آگیا ہوں میں

اس ایک شخص کی محفل میں آگیا ہوں میں
سلام کرنے اک ایسے عظیم شاعر کو
بساطِ شعر و ادب پر ہے جس کے دل کا لہو
نئی غزل کے لئے تازہ فکر و فن کے لئے

اُس ایک شخص کی محفل میں آگیا ہوں میں
کہ جس کی فکر کی دولت سمیٹنے کے لئے
بہت سے اہلِ قلم کاسہ تہی لے کر
کھڑے ہوئے ہیں کسی تشنہ لب سحر کی طرح
اُس ایک شخص کی محفل میں آگیا ہوں میں

خراجِ عقیدت

(شاذؔ تمکنت)

لے کے بزمِ شعر میں نُورِ سحر آئے گا کون
شاذؔ جیسا تیشہ زن بارے دِگر آئے گا کون

بعد اس کے شہرِ دانش میں بتا خاکِ دکن
بے نیازِ زندگی، آشفتہ سر آئے گا کون

خُوش نظر، گُل پیرہن، شائستگیٔ گفتار میں
بانکپن ایسا لئے ہم کو نظر آئے گا کون

ہے اجل شرمندہ اک شاعر کو ہم سے چھین کر
وضع داری ہے نبھانی لوٹ کر آئے گا کون

جب کبھی اُلجھائیں ہم کو راستے کے پیچ و خم
تیری خوشبو لے کے دورانِ سفر آئے گا کون

دل کے دروازے پہ دستک دے کے لوٹا تُو مگر
زندگی ہے منتظر، پچھلے پہر آئے گا کون

خود فراموشی کو اپنی ڈھونڈھ لانے کے لئے
آخرِ شب گنگناتا اپنے گھر آئے گا کون

اک چراغ اور بجھا

روشنی !
سلسلۂ نورِ سحر کی صورت
اپنا احساس دلاتی ہی رہی شام و سحر
زندگی !
رقص کُناں محفلِ زنداں میں کبھی
زندگی !
فیض رساں بزمِ نگاراں میں کبھی
اپنی پہچان کا احساس دلاتی ہی رہی

•

کوئی شائستہ نظر
دیدہ وروں کی صف میں
کیوں نظر آتا نہیں

•

کب نئی صبح کی وہ پہلی کرن

گھر کے دروازے پہ دستک دے گی
میں بھی اک عمر سے ہوں چشم براہ
منتظر میں بھی ہوں
اس نورِ سحر کا یارو
جس کے فیضان سے جاری ہو اُجالوں کا سفر
کب سے روشن ہے مرا دیدۂ تر

●

اک چراغ اور بجھا
اور اندھیرے پھیلے

●

روشنی آئے گی پھر ایک نئی شان لئے
زندگی رُکتی نہیں
کارواں وقت کا چلتا ہی رہے گا یوں ہی
اپنے مقصد کے لئے اپنی مشیت کے لئے

اک چراغ اور بُجھا
اور اندھیرے پھیلے

●

ٹی۔ انجیّا

اندازِ گفتگو میں شرافت دکن کی تھی

سورج کی روشنی کا تسلسل بنا رہا
ہر دور میں رہا ہے اُجالوں کا پاسباں
وہ شخص جو فقیر بھی تھا شہریار بھی
جو بوریا نشین بھی، مسند نشیں بھی تھا
خوشحال زندگی کا طرفدار ہی نہیں
محنت کشوں کا دوست، مروّت شناس بھی
وہ شخص اپنی قدر و فضیلت کے باوجود
بھولا کبھی نہ اپنی غریبی کے روز و شب
تشنہ لبوں کی پیاس تھی جس کی نگاہ میں
وہ شخص بزمِ یاراں سے اُٹھ کر چلا گیا

●

موسم کئی سیاسی بدلتے رہے تو کیا
وہ اپنی وضع داری پہ قائم یوں ہی رہا

۱۱۰

اُس کی قلندرانہ طبیعت تو تھی مگر
ہر اک سے اُس کا رشتہ بہت باوقار تھا
سب کی نظر میں اُس کا بڑا اعتبار تھا



سادہ مزاج ، نرم طبیعت ، شگفتہ ذہن
دل تھا گداز جس کا ، شرافت نگاہ تھا
تھا فطرتاً شگفتہ روایات کا امیں
اُردو سے ایک رشتۂ دیرینہ جس کا تھا
تہذیبِ زندگی کا جھلکتا ہوا شعور
چہرہ پہ جس کے رہتیں تبسم کی سُرخیاں
ہر اک ادا میں اس کی محبت وطن کی تھی
اندازِ گفتگو میں شرافت دکن کی تھی



خاکِ وطن کا قرض چکانے کے بعد وہ
جب مطمئن حیات کی قربت سے ہو گیا
قدموں میں اپنی ماں کے وہ خاموش سو گیا

پھولوں کی داستاں ہے ہندوستاں ہمارا

پھولوں کی داستاں ہے ہندوستاں ہمارا
تہذیب کا نشاں ہے ہندوستاں ہمارا

خوشبو مہک رہی ہے پھولوں کے پیرہن سے
آنکھوں میں تازگی ہے رنگینیٔ چمن سے
گلشن کی کیاریوں میں بادِ صبا چلی ہے
ہر اک کلی چمن کی انگڑائی لے رہی ہے
پھولوں کی داستاں ہے ہندوستاں ہمارا
تہذیب کا نشاں ہے ہندوستاں ہمارا

یونہی رہے گی باقی اپنے وطن کی عظمت
حبِّ وطن سلامت کیا جان کی حقیقت

نظریں ملیں اجل سے اک زندگی کی خاطر
اندھیارے منھ چھپائے اک روشنی کی خاطر
صدیوں سے پاسباں ہے ہندوستاں ہمارا
تہذیب کا نشاں ہے ہندوستاں ہمارا

ہیں وقت کی امانت، ہم وقت کی صدا ہیں
بھٹکے ہوؤں کے حق میں ہم خضرِ باوفا ہیں
بکھرا رہے ہیں ہر سُو ہم روشنی وطن کی
ہم کو بہ غور دیکھو، رونق ہیں انجمن کی
سب پر یہ مہرباں ہے ہندوستاں ہمارا
تہذیب کا نشاں ہے ہندوستاں ہمارا

بنا رشکِ فردوس ھندوستاں

بنا رشکِ فردوس ہندوستاں
مہکنے لگے ہیں زمین، آسماں

جواہر کی موتی کی یہ سرزمیں
ہر اک ذرّہ دلکش ہر اک شئے حسیں
ہر اک نغمۂ جاں فزا، دل نشیں
زمیں پر اُتر آئی ہے کہکشاں
بنا رشکِ فردوس ہندوستاں

ہے پھولوں کے رخسار پر تازگی
فسردہ دلوں کی بجھی تشنگی
خود اپنے پہ نازاں ہے اب زندگی

بتدریج بڑھنے لگا کارواں
بنا رشکِ فردوس ہندوستاں

چمکنے لگی آج ارضِ وطن
مہکنے لگی انجمن، انجمن
بکھرنے لگا آج حسنِ چمن
رگِ گل میں ہے آج خونِ رواں
بنا رشکِ فردوس، ہندوستاں

ہر اک سمت پھیلا ہے نورِ سحر
چمکنے لگے ہیں سب ہی بام و در
اُجالوں میں لپٹی ہر اک رہ گذر
ہر اک گھر میں بجتی ہیں شہنائیاں
بنا رشکِ فردوس ہندوستاں

مجھے بہت عزیز ہے
مِرا وطن مِرا وطن

مجھے بہت عزیز ہے مِرا وطن مرا وطن
بکھر نہ جائے زندگی کی داستاں کرن کرن

روش روش قدم قدم مہک رہے ہیں گلستاں
صبائے خوش خرام کے گزر رہے ہیں کارواں
زمیں پہ آسمان سے اُتر رہی ہے کہکشاں
کسی طرح بھی کم نہ ہو مرے وطن کا بانکپن
مجھے بہت عزیز ہے مرا وطن مرا وطن

جوان عزم کی قسم، جوان خون کی قسم
وفا کی رہ گزار پر اٹھے گا میرا ہر قدم

نظر نہ آئیں گے کبھی ہر راستوں کے پیچ و خم
ہوائے گرم سے کبھی بجھے نہ شمعِ انجمن
مجھے بہت عزیز ہے مرا وطن مرا وطن

نظر کی روشنی تو کیا میں دل کا خوں بہاؤں گا
روش روش پہ پیار کے کئی دیئے جلاؤں گا
قدم قدم پہ عظمتِ وطن کے گیت گاؤں گا
لبوں پہ مسکراہٹیں ہیں سر پہ ہے مرے کفن
مجھے بہت عزیز ہے مرا وطن مرا وطن

میرے پیارے وطن میرے ہندوستاں

میرے پیارے وطن میرے ہندوستاں
تیری خوشبو سے مہکا رہے گلستاں

پھر سے انگڑائیاں لے کے آئی بہار
ہے چمن کا ہر اک گوشہ اب نغمہ بار
صبح روشن سے ہے زندگی کا وقار
شب کی زلفوں میں بکھری ہے اب کہکشاں
میرے پیارے وطن میرے ہندوستاں

میکدے میں نہ اب کوئی پیاسا رہے
چشمِ ساقی سے ہر اک شناسا رہے
جنبشِ لب سے ہر پھول تازہ رہے

سب پہ یکساں رہے تیرا فیضِ رواں
میرے پیارے وطن میرے ہندوستاں

ایک آواز ہر انجمن میں رہے
سرفروشی اسی بانکپن میں رہے
تیری مٹی کی خوشبو کفن میں رہے
تیرے قدموں میں ہے زندگی کا نشاں
میرے پیارے وطن میرے ہندوستاں

ہم کو پیارا اپنا وطن ہے

ہم کو پیارا اپنا وطن ہے
پھول کئی ہیں ایک چمن ہے

شبنم شبنم اپنے آنسو
گلشن گلشن اپنی خوشبو
صحنِ چمن میں رقصِ کرن ہے
ہم کو پیارا اپنا وطن ہے

جب بھی چمن ویران ہوا ہے
ہم نے دل کا خون دیا ہے
جب بھی ہمارے ہونٹ ہلے ہیں
ویرانوں میں پھول کھلے ہیں

مہکا مہکا پھول بدن ہے
ہم کو پیارا اپنا وطن ہے

آؤ وفا کے پھول کھلائیں
اندھیاروں میں دیپ جلائیں
رشتۂ دل گر ٹوٹ بھی جائے
اپنی وفا پر حرف نہ آئے
اپنی نظر میں حسنِ چمن ہے
ہم کو پیارا اپنا وطن ہے

عزم سفر ہے منزل منزل
نورِ سحر ہے محفل محفل
راہ وفا میں چلتے رہیں گے
بڑھتے قدم پیچھے نہ ہٹیں گے
عزم جواں ہے سر پہ کفن ہے
ہم کو پیارا اپنا وطن ہے